www.cpsglobal.org

Al-Risala

April 2018 • Rs. 30

ہمدردی کیا ہے، دوسرے کا درد اپنے سینہ میں محسوس کرنا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الرسالہ

جاری کردہ 1976

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

اپریل 2018 | No 497

Retail Price	Rs 30/- per copy
Subs. by Book Post	Rs 300/- per year
Subs. by Reg. Post	Rs 400/- per year
International Subs.	USD 20 per year

Electronic Money Order (EMO)

Al Risala Monthly
1, Nizamuddin (W), Market
New Delhi-110 013

Bank Details

Al-Risala Monthly
Punjab National Bank
A/C No. 0160002100010384
IFSC Code: PUNB0016000.
Nizamuddin West Market
New Delhi - 110013

Customer Care Al-Risala

Call/Whatsapp/SMS: **+91-8588822679**

Ph. No. **011 41827083**

cs.alrisala@gmail.com

www.cpsglobal.org

Goodword Customer Care

+9111-46010170

+91-8588822672

sales@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

فہرست

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of Al-Markazul Islami, New Delhi.
Printed at Nice Printing Press, 7/10, Parwana Road, Khureji Khas, Delhi-110 051
Total Pages: 52

مقالید السماوات والارض

قرآن میں اللہ رب العالمین کی قدرت کو مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک آیت کے الفاظ یہ ہیں: لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (42:12)۔ یعنی اسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ بیشک وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اس بات کو دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ پوری کائنات کا سوئچ بورڈ اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔ وہ جس سوئچ کو چاہے آن کرے، اور جس سوئچ کو چاہے آف کر دے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ رب العالمین پر بھروسہ کرے۔ وہ مانگے تو اللہ رب العالمین سے مانگے۔ وہ امید رکھے تو صرف اللہ رب العالمین سے امید رکھے۔ اس معاملے میں اس کا یقین اتنا بڑھا ہوا ہو کہ وہ اللہ رب العالمین سے کبھی اور کسی حال میں مایوسی کا شکار نہ ہو۔ یہ یقین کسی انسان کے اندر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ اللہ رب العالمین کو شعور کی سطح پر دریافت کر لے۔

ایک اور مقام پر اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ (63:7)۔ یعنی اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں منافقین سے مراد کوئی فرقہ نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو زبان سے اللہ کا اقرار تو کریں، مگر اللہ پر ان کا اقرار دریافت (discovery) کے درجے تک نہ پہنچا ہو۔ اس بنا پر ان کا اقرار یقین کی کیفیت سے خالی ہو۔ وہ لپ سروس (lip service) کے درجے میں اللہ کو مانتے ہوں، لیکن اللہ کا عقیدہ ان کی شخصیت سازی میں موثر عامل کی حیثیت سے شامل نہ ہوا ہو۔ وہ اللہ کو مانیں، مگر اللہ ان کے لیے یقین کا سرمایہ نہ بنا ہو۔

احسن العمل کا انتخاب

قرآن میں تخلیق کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ احسن العمل (best in conduct) افراد کا انتخاب (selection) کیا جائے (الملک، 2:67)۔ اللہ رب العالمین کا یہ منصوبہ ہے کہ پوری تاریخ بشری سے ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو اپنے کیریکٹر کے اعتبار سے بہترین لوگ ہوں۔ اس تخلیقی نقشہ کے مطابق، دنیا میں مختلف قسم کے حالات پیش آتے ہیں۔ ان حالات کے درمیان ان افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے، جو احسن العمل ہوں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پوری تاریخ کے بہترین انسانوں کو چن کر ان کا ایک اعلیٰ معاشرہ بنایا جائے۔ اسی اعلیٰ معاشرہ کا نام جنت (Paradise) ہے۔

منتخب افراد پر مبنی اس معاشرہ کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں آیا ہے: وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا (4:69)۔ یعنی اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی پیغمبر اور صدیق اور شہید اور صالح۔ کیسی اچھی ہے ان کی رفاقت۔

قرآن کے الفاظ میں جنت حسن رفاقت کا ایک اعلیٰ معاشرہ ہے۔ اس معاشرے کے افراد کی صفت کیا ہوگی۔ اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اس کی امتیازی صفت یہ ہوگی کہ جنت دارالسلام (the home of peace) ہوگا (الانعام، 6:127)۔ وہاں کے ہر فرد کے دل میں دوسروں کے لیے امن اور خیر خواہی کا جذبہ ہوگا (الحشر، 59:10)۔ وہاں کسی فرد کے ذریعہ دوسرے فرد کو زحمت (nuisance) کا تجربہ نہ ہوگا (الواقعۃ، 56:25-26)۔ وہاں ہر شخص مثبت سوچ (positive thinking) کا حامل ہوگا (یونس، 10:10)، وغیرہ۔

ان کی یہ اعلیٰ صفت آخرت کی تربیت کا نتیجہ نہ ہوگی۔ بلکہ خود دنیا کی زندگی میں وہ اسی اصول پر سیلف میڈ مین بن چکے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں اسی اصول کی پیروی کر کے خود انضباطی زندگی (self-disciplined life) کا ثبوت دے چکے ہوں گے۔

ابدی جنت

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ جنت کا انعام غیر ممنون انعام (endless reward) ہوگا۔ اس سلسلے میں قرآن میں چار جگہ اجر غیر ممنون کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک جگہ یہ حقیقت مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان ہوئی ہے: وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (11:108)۔ یعنی اور جو لوگ خوش بخت ہیں۔ وہ جنت میں ہوں گے، وہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں، مگر جو تیرا رب چاہے، ایک عطیہ جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

جنت کا غیر منقطع ہونا واضح ہے۔ کیوں کہ جنت رب العالمین کا عطیہ ہے، اور خدائے لامحدود کا عطیہ کبھی محدود نہیں ہوسکتا۔ یہ رب العالمین کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو محدود عطیہ دے۔ محدود عطیے کا تصور اللہ رب العالمین کے کمتر اندازہ (underestimation) کے ہم معنی ہے، اور ایسا کبھی ہونے والا نہیں۔ اب سوال انسان کا ہے۔ کیا یہ لامحدودیت جو اللہ کی نسبت سے ہے، وہ انسان کی نسبت سے بھی باقی رہے گی۔ اس کا جواب "ہاں" ہے، جو خدا کی طرف سے انھیں بطور عطیہ ملے گا۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اہل جنت کو جنت میں داخلہ مل جائے گا تو وہ کہیں گے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (35:34)۔ یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے رنج کو ختم کردیا۔

اہل جنت کی طرف سے اظہار حمد، یہ وقتی کلمہ نہیں ہے۔ یہ ابدی احساس حمد کی بات ہے۔ اہل جنت کی طرف سے احساس حمد، بلاشبہ ایک تخلیقی احساس (creative feeling) کی بات ہے۔ یہ کریٹیو احساس انھوں نے دنیا کی زندگی میں حاصل کیا ہوگا۔ یہ کریٹیو احساسِ حمد جو جنت کے پانے سے پہلے بذریعہ معرفت اہل جنت کے اندر پرورش پائے گا، وہ اتنا طاقت ور ہوگا کہ وہ جنت کا ابدی عطیہ پانے کے بعد بھی برابر ایک اضافہ پذیر تجربہ کی حیثیت سے جاری رہے گا۔ جنت جس طرح ابدی ہوگی، اسی طرح جنت کے پانے پر احساسِ حمد بھی یقینی طور پر ابدی ہوگا۔

اللہ کا ذکر

ایک حدیث رسول ان الفاظ میں آئی ہے:ألا أنبئكم بخير أعمالكم، وأزكاها عند مليككم، وأرفعها في درجاتكم وخير لكم من إنفاق الذهب والورق، وخير لكم من أن تلقوا عدوكم فتضربوا أعناقهم ويضربوا أعناقكم؟ قالوا:بلى. قال:ذكر الله تعالى (سنن الترمذی، حدیث نمبر 3377)۔یعنی کیا میں تمھیں سب سے بہتر اعمال کے بارے میں نہ بتاؤں۔وہ تمہارے بادشاہ کے نزدیک بہت پاکیزہ ہے، وہ تمہارے درجات کے لیے سب سے بلند ہے،اوروہ تمہارے لیے بہتر ہے سونا اور چاندی خرچ کرنے سے اوروہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمنوں سے ملو: تم ان کی گردنیں مارواوروہ تمہاری گردنیں ماریں؟ صحابہ نے کہا کہ کیوں نہیں؟ آپ نے کہا:اللہ کا ذکر۔

یہاں ذکرُاللہ سے مراد اللہ کا لفظی ورد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد اللہ کی شعوری یاد (intellectual remembrance) ہے۔ یہ یادِشعوری یانان اسٹاپ(non-stop)انداز میں ہر وقت مطلوب ہے۔ یہ شعوری یاد کسی قسم کے روٹین کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اعلیٰ حقیقت کی دریافت کے نتیجے میں ذہن انسانی میں خودبخود پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک زندہ اور تخلیقی سوچ ہے۔جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے: آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے باری باری آنے میں عقل والوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں۔جوکھڑے اور بیٹھے اوراپنی کروٹوں پراللہ کو یاد کرتے ہیں اورآسمانوں اورزمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔وہ کہہ اٹھتے ہیں اے ہمارے رب،تونے یہ سب بےمقصد نہیں بنایا۔تو پاک ہے، پس ہم کو آگ کے عذاب سے بچا(3:190-91)۔ یہ اعلیٰ ذکر کسی انسان کے اندر اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب کہ وہ گہرے غور وفکر کے ذریعہ اللہ رب العالمین کو دریافت کرے۔ یہ دریافت اتنی کامل ہو کہ وہ سوچ پر غالب آجائے، اس کی شخصیت اسی دریافت میں ڈھل جائے۔وہ اس کے صبح وشام کا ناگزیر اثاثہ بن جائے۔

قرآن فہمی کا معیار

لوگوں نے قرآن فہمی کا خود ساختہ طور پر ایک غلط معیار بنا رکھا ہے۔ وہ قرآن فہمی اس کو سمجھتے ہیں کہ اس میں الفاظ کی تحقیق ہو۔ فنی تجزیہ کیا گیا ہو۔ اس کے اندر شخصیتوں کے حوالے درج ہوں۔ قرآن کی آیتوں کی تفسیر شان نزول کے حوالے سے کی گئی ہو، اس میں قرآن کی آیتوں کا ربط (order) بیان کیا گیا ہو، وغیرہ۔

مگر یہ سب قرآن فہمی کے خود ساختہ معیار ہیں۔ اس طرح کے بظاہر تحقیقی مضمون میں قاری کو سب کچھ ملتا ہے لیکن وہی چیز نہیں ملتی جو قرآن وسنت کا مقصد اصلی ہے۔ جس کو قرآن میں ذکریٰ اور تذکر جیسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح کی فنی تشریح وتفسیر کے بارے میں انور شاہ کشمیری نے، ایک حدیث کی شرح کے ذیل میں کہا ہے: لم یتحصَّل عندنا منه شيءٌ غیر حلِّ الألفاظ (فیض الباری علی صحیح البخاری، 1/230)۔ یعنی ہمیں اس سے حل الفاظ کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔

قرآن وحدیث کو پڑھنے کا اصل فائدہ یہ ہے کہ آدمی کے اندر خدا کا خوف پیدا ہو۔ اس کو اس میں اللہ سے محبت کی غذا ملے۔ اس کو اللہ ورسول کے کلام میں حکمت (wisdom) کی دریافت ہونے لگے۔ اس کے لیے قرآن وسنت کا مطالعہ اللہ سے ملاقات کے ہم معنی بن جائے۔ وہ قرآن و سنت کو پڑھے تو اس کو محسوس ہو کہ وہ عالم آخرت میں اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اللہ اور رسول کا کلام پڑھنے سے اس کے اندر محاسبہ (introspection) کا جذبہ پیدا ہو۔ اس کے لیے قرآن وسنت کا مطالعہ جنت اور جہنم کے تعارف کے ہم معنی بن جائے۔

قرآن وحدیث کے مطالعے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کچھ فنی نکات کا حل آپ کو مل جائے۔ بلکہ قرآن وحدیث کے مطالعے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے اندر فکری بھونچال پیدا ہو۔ آپ کے اندر اسپریچول اسٹارمنگ آئے۔ آپ کا ذہن نان کریٹو سے کریٹیو (creative) بن جائے۔ قرآن و حدیث کا صحیح مطالعہ وہ ہے جو آپ کو سجدہ قربت (العلق، 19:96) کا تجربہ کرادے۔

پرامید آیات واحادیث

امام سیوطی (وفات: 911ھ) نے لکھا ہے کہ قرآن میں امید افزا آیتوں کی تعداد دس سے کچھ زیادہ ہے (الاتقان فی علوم القرآن، 4/149)۔ان میں سے ایک آیت یہ ہے: قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (39:53)۔یعنی کہو کہ اے میرے بندو، جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بیشک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، وہ بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔

اسی طرح احادیث میں بھی اس قسم کے پرامید اقوال آئے ہیں۔ایک حدیث رسول ان الفاظ میں آئی ہے: لما خلق الله الخلق، كتب كتابا، فهو عنده فوق العرش: إن رحمتي سبقت غضبي (مسند احمد، حدیث نمبر 7528)، وفی روایۃ: إن رحمتي غلبت غضبي (مسند احمد، حدیث نمبر 8127)۔یعنی جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس نے ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب اس کے پاس عرش کے اوپر ہے: بیشک میری رحمت میرے غضب سے آگے ہے۔ایک اور روایت میں ہے: بیشک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

قرآن کی مذکورہ آیت ایک بے حد پرامید آیت ہے۔ اسی طرح حدیث بھی ایک بہت پرامید حدیث ہے۔ دونوں میں جو مشترک بات ہے، وہ یہ ہے کہ اس امید کی بنیاد رحمت ہے۔ اللہ رب العالمین کی صفات میں ایک صفت اس کا رحیم و کریم ہونا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے ساتھ ہمیشہ رحمت کا معاملہ فرماتا ہے۔ اللہ رب العالمین کی یہ صفت بندے کے لیے بلاشبہ سب سے زیادہ پرامید صفت ہے۔ اللہ رب العالمین کا رحیم و کریم ہونا، اس کے بندوں کو یہ موقع دیتا ہے کہ وہ ایسے الفاظ میں اپنے رب کو پکاریں، جو اللہ کی رحمت کو انووک (invoke) کرنے والے ہوں۔ اگر بندہ ایسی دعا کرے تو وہ گویا اسم اعظم کے ساتھ اپنے رب کو پکارتا ہے، اور جو آدمی اسم اعظم کے ساتھ اپنے رب کو پکارے تو اللہ رب العالمین اس کی پکار کو ضرور قبول فرماتا ہے۔

اللہ سے امید

انسان کی تخلیق کے بارے میں ایک حدیث رسول ان الفاظ میں آئی ہے: خلق الله آدم علی صورته (صحیح البخاری، حدیث نمبر 6227)۔ یعنی اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس حدیث میں آدم سے مراد انسان ہے، اور صورت (image) کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر اس مثبت (positive) صفات کا ایک شمہ (very little part) رکھ دیا گیا ہے، جو اللہ رب العالمین کے اندر کامل معنوں میں موجود ہے، مثلاً رحم وشفقت۔

یہ حدیث رسول ایک امید (hope) کی حدیث ہے۔ یہ حدیث آپ کو موقع دیتی ہے کہ آپ اللہ سے امید قائم کریں۔ وہ یہ کہ اللہ نے جب انسان کے اندر رحمت کا یہ جذبہ رکھا ہے کہ غصہ آنے پر وہ کسی کو معاف کردے تو خود اللہ کے اندر یہ صفت یقیناً بے حساب گنا زیادہ درجے میں ہوگی۔ اس لیے انسان کو کبھی اللہ کے عطیے کے بارے میں مایوسی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

یہ سوچتے ہوئے مجھے ایک واقعہ یاد آیا، جس کو میں نے خود ذاتی طور پر دیکھا ہے۔ یہ برٹش انڈیا کا واقعہ ہے۔ اس وقت میں نوجوانی کی عمر میں تھا، اور اعظم گڑھ کے ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک زمیندار (landlord) نے گاؤں کے ایک دلت کو اپنے گھر پر بلایا۔ دلت نے زمیندار کا ایک کام نہیں کیا تھا، اس لیے وہ اس پر غصہ تھا۔ اس نے دلت کو اپنے سامنے بٹھایا، اور اس کو اس کی غلطی یاد دلائی، اور ڈنڈا ہاتھ میں لے کر کہا کہ آج میں تم کو ماروں گا۔ دلت اپنی پیٹھ کھول کر بیٹھ گیا، اور کہا: بابو، لَے مارا (لیجیے، صاحب، ماریے)۔ یہ سن کر زمیندار کے ہاتھ سے ڈنڈا چھوٹ کر گر پڑا۔ اس نے دلت سے کہا کہ جاؤ، میں نے معاف کیا۔ یہ کہہ کر زمیندار اپنے گھر کے اندر چلا گیا۔ اس واقعہ کے بعد میں نے سوچا کہ زمیندار کے اندر یہ صفت خالق کی دی ہوئی تھی۔ اس لیے خالق کے اندر یہ صفت یقیناً اور بھی زیادہ ہوگی۔ خالق یقیناً مجھے معاف کردے گا، اگر میں اس کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دوں۔ (21 جنوری 2018)

آخرت کا مضمون

ایک آدمی قرآن اور حدیث کا مطالعہ کرے، وہ صحابہ کے حالات کو پڑھے۔ اگر وہ سنجیدہ ہے تو عین ممکن ہے کہ اس کی سوچ آخرت رخی سوچ بن جائے۔ وہ آخرت کے مضمون پر لکھنا اور بولنا شروع کردے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ اب بھی اس کا لکھنا آخرت نویسی کے ہم معنی ہو۔ فنی اعتبار سے صحیح ہونے کے باوجود اس کے لکھنے اور بولنے میں آخرت کا گہرا ادراک شامل نہ ہو۔

لیکن آدمی اگر لمبی عمر پائے۔ اس پر بیماری اور حادثات کے حالات گزریں، یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہوجائے۔ اس پر بڑھاپے کے حالات گزریں۔ وہ عجز اور کمزوری کے حالات سے دوچار ہو۔ اگر ایسا ہو تو اس کا آخرت کا علم آخرت کا گہرا احساس بن جائے گا۔ پہلے اگر وہ آخرت کے اوپر لکھتا تھا تو اب وہ آخرت میں جینے والا بن جائے گا۔

جو آدمی اپنی عمر کے لحاظ سے آخرت میں جینے کے دور میں پہنچ جائے، اس کے لیے آخرت ایک ایسا موضوع بن جائے گا، جس کا وہ ذاتی طور پر تجربہ کررہا ہے۔ پہلے اگر وہ آخرت کو پڑھتا تھا، تو اب وہ آخرت کو دیکھنے والا بن جائے گا۔ پہلے اگر وہ آخرت پر معلومات دیا کرتا تھا تو اب وہ ایسا انسان بن جائے گا، جو گویا کہ آخرت کا ذاتی تجربہ کررہا ہے۔ پہلے اگر وہ آخرت نویسی کرتا تھا، تو اب وہ آخرت کے موضوع پر تجربہ نویسی کے مرحلہ میں پہنچ جائے گا۔

ایسا آدمی بہت قیمتی ہوتا ہے۔ دوسروں کو چاہیے کہ وہ اس کی قدر کو پہچانیں۔ وہ اس کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں۔ وہ اس کے تجربے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ کسی کی تحریر و تقریر سے آپ کو معلومات مل سکتی ہیں، لیکن تجربہ کار سے جو چیز ملتی ہے، وہ اس سے زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی آخرت والا بن جانا۔ تاہم تجربہ کا دور اسی آدمی کے لیے مفید ہوسکتا ہے جو بڑھاپے سے پہلے آخرت کو جاننے والا ہو۔ وہ قرآن وحدیث کے ذریعہ آخرت کا علم حاصل کرنے کے بعد آخرت میں جینے کی کوشش کرنے والا بن چکا ہو۔

ہر ایک کے لیے خیر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ان الفاظ میں آئی ہے: عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المؤمن القوي، خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف، وفي كل خير (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2664)۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، طاقت ور مومن اللہ کے نزدیک بہتر اور زیادہ محبوب ہے کمزور مومن سے، اور بھلائی ہر ایک کے لیے ہے۔ ایک شخص اگر پیدائشی طور پر طاقت ور ہو تو اس کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات کو خود اپنی طاقت سے درست کر لے۔ لیکن جو انسان پیدائشی طور پر کمزور ہو، وہ بظاہر اس قابل نہیں ہوتا کہ اپنے معاملات کو خود اپنی طاقت سے درست کر سکے۔ لیکن خیر دونوں کے لیے ہے۔ ایک کے لیے اپنی ذاتی طاقت کی بنیاد پر، اور دوسرے کے لیے اللہ کی مدد کی بنیاد پر۔

جو آدمی ضعیف ہو، وہ اگر منفی نفسیات میں مبتلا نہ ہو تو اس کے اندر اللہ کی یاد جاگ اٹھتی ہے۔ وہ اللہ سے مدد کا طالب بن جاتا ہے۔ اس بنا پر یہ ہوتا ہے کہ اللہ اس کی مدد پر آجاتا ہے۔ جب کمزور انسان یہ کہتا ہے کہ خدایا، تو نے مجھ کو کمزور پیدا کیا، اب تجھ ہی کو یہ کرنا ہے کہ تو میری کمزوری کی تلافی کرے۔ اس قسم کی دعا اللہ کی رحمت کو انووک (invoke) کرنے والی ہوتی ہے۔ اللہ ایسے انسان کی طرف مزید اضافے کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے۔

جو انسان اپنے آپ کو طاقت ور پائے، اس کے اندر اپنے آپ پر بھروسہ کی نفسیات پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس، جو آدمی اپنے آپ کو کمزور پائے۔ اس کے اندر اللہ سے طلب کی نفسیات جاگ اٹھتی ہے۔ وہ دعا کرنے لگتا ہے کہ خدایا، تو نے مجھے ضعیف پیدا کیا ہے۔ اب تو ہی میرے ضعف کی تلافی فرما۔ اس طرح کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، اور بندۂ ضعیف اللہ کی مدد سے وہ کام کر لیتا ہے جو اکثر حالات میں بندہ قوی کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ مگر اس کی ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ بندۂ ضعیف کے اندر تواضع (modesty) کی صفت پائی جاتی ہو۔

انسان اور کائنات

انسان موجودہ دنیا میں پیدائش کی بنیاد پر داخل ہوتا ہے۔ ہر پیدا ہونے والا، ماں کے پیٹ سے نکل کر موجودہ دنیا میں داخل ہوجاتا ہے۔ یہ کسی انسان کے لیے اس دنیا میں پہلا داخلہ ہے۔ یہ داخلہ ہر انسان کو محض پیدائش کی بنیاد پر مل جاتا ہے۔ مگر یہ داخلہ عارضی داخلہ ہے۔ موت کے بعد انسان دوبارہ خدا کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔

دنیا میں پہلا داخلہ عارضی داخلہ تھا، لیکن دوسرا داخلہ مستقل داخلہ ہے۔ پہلا داخلہ کسی کو پیدائش کی بنیاد پر اپنے آپ مل جاتا ہے۔ لیکن دوسرے داخلے کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ دوسرا داخلہ کسی انسان کو صرف استحقاق (merit) کی بنیاد پر ملے گا۔ پہلے دورِ حیات کی حیثیت یہ ہے کہ وہ استحقاق ثابت کرنے کا دور ہے۔ پہلے دورِ حیات میں انسان کو یہ کرنا ہے کہ وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کرے کہ وہ خدا کی دنیا میں مستقل قیام کا واقعی حقدار ہے۔ اس دوسرے داخلے کے بارے میں قرآن کی چند آیتیں یہ ہیں :

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ۔ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ۔ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ۔ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ۔ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ۔ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ۔ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (69:18-24)۔ یعنی اس دن تم پیش کیے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی۔ پس جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔ میں نے گمان رکھا تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے۔ پس وہ ایک پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔ اونچے باغ میں۔ اس کے پھل جھکے پڑ رہے ہوں گے۔ کھاؤ اور پیو، خوشی کے ساتھ، ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے — خدا کی دنیا میں پہلے داخلہ کے ساتھ مصیبت شامل تھی (البلد، 90:4)۔ اس کے برعکس، یہ دوسرا داخلہ تمام تر ھنیئًا (pleasure) کا داخلہ ہوگا۔ پہلا داخلہ امتحان کے لیے تھا، اور دوسرا داخلہ انعام کے لیے ہوگا۔

غیر حقیقت پسندانہ منصوبہ

قرآن میں ایک فطری حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: تمھاری امانی سے کچھ نہیں ہوگا (النساء: 123)۔ امانی کا مطلب ہے بے بنیاد آرزوئیں (false desires)۔ یہ بات قرآن میں مذہبی معنی میں آئی ہے۔ مگر یہی بات سیکولر معنی میں بھی درست ہے۔ یعنی دنیاوی معاملات میں غیر حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی (unrealistic planning) کا طریقہ اختیار کرنا۔ موجودہ دنیا حقائق کی دنیا ہے۔ یہاں امانی کی بنیاد پر جو منصوبہ بنایا جائے، وہ نتیجہ کے اعتبار سے ہمیشہ ناکام رہے گا۔

ایسے موقع پر لوگ عام طور پر اپنی ناکامی کا الزام دوسروں کے اوپر ڈالتے ہیں۔ مگر ایسا ردعمل ناکامی پر نادانی کا اضافہ ہے۔ اس دنیا میں ہر ناکامی خود اپنی غیر حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس لیے جب بھی آدمی کو اس قسم کا تجربہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ دوسری غلطی نہ کرے۔ وہ دوسروں کی شکایت کرنے کے بجائے خود اپنی غلطی کو دریافت کرے، اور مبنی بر حقیقت منصوبہ بندی کے ذریعہ دوبارہ اپنے کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے۔

غیر حقیقت پسندانہ منصوبہ ہمیشہ دو سبب سے ہوتا ہے، یا غلط نشانہ (goal) کی وجہ سے، یا غلط تدبیر کی وجہ سے۔ غلط نشانہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز کو نشانہ بنائے جو باعتبار حالات اس کے لیے قابل حصول (achievable) ہی نہ ہو، مثلاً عالمی حکومت۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جس نے بھی اپنے لیے عالمی گورنمنٹ کا نشانہ اختیار کیا، وہ ہمیشہ ناکام رہا۔ دوسری چیز، غلط تدبیر ہے۔ مثلاً اس دنیا میں ہمیشہ کوئی کامیابی پرامن طریقہ کار کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، متشددانہ طریقہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں جو شخص بھی متشددانہ طریقہ اختیار کرے گا، خواہ بطور خود وہ اس کو کتنا ہی درست سمجھتا ہو، وہ لازمی طور پر ناکامی سے دوچار ہوگا۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ کبھی امانی کی بنیاد پر کوئی منصوبہ نہ بنائے، نہ انفرادی سطح پر اور نہ قومی سطح پر۔ جو شخص بھی ایسا کرے گا، وہ لازماً ناکام ہوگا، خواہ اس نے بطور خود اس کے لیے کتنے ہی زیادہ خوبصورت الفاظ وضع کیے ہوں۔

اہل مغرب کا کنٹری بیوشن

ایک سروے میں یہ پوچھا گیا کہ دورجدید کی سب سے اہم ایجاد کیا ہے۔ ایک مغربی انسان نے اس کے جواب میں کہا کہ سائفن (siphon)۔ سائفن اس ٹکنیک کا نام ہے جو واش روم میں کوئی نیا مسئلہ پیدا کیے بغیر اس کی گندگی کو پوری طرح صاف کردیتا ہے:

Siphon: a tube used to convey liquid upwards from a reservoir and then down to a lower level of its own accord. Once the liquid has been forced into the tube, typically by suction or immersion, flow continues unaided.

سائفن صفائی کی ایک سادہ ٹکنیک ہے۔ لیکن پوری تاریخ میں کوئی حیوان اس کو دریافت نہ کرسکا۔ دورجدید میں جب عقل کا آزادانہ استعمال شروع ہوا تو انسان نے دوربین اور خوردبین سے لے کر سائفن تک بے شمار چیزیں دریافت کیں۔ ماڈرن تہذیب کو وجود میں لانے کا کام تقریباً تمام تر اہل مغرب نے انجام دیا ہے۔ اس معاملے پر غور کرتے ہوئے راقم الحروف نے یہ سمجھا ہے کہ اس معاملے میں اللہ تعالی نے تقسیم کار کا اصول اختیار فرمایا ہے۔ یعنی دین حق کی اشاعت کا کام اہل اسلام کی ذمہ داری قرار دیا، اور اہل مغرب کو اس معاملے میں، حدیث کے الفاظ میں تائید کا رول عطا فرمایا (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر 14640)۔

دین خداوندی کی اشاعت کے معاملے میں اہل اسلام کا رول براہ راست رول ہے، اور اہل مغرب کا رول بالواسطہ رول۔ مگر بعض اسباب سے مسلمانوں نے اہل مغرب کو اپنا دشمن سمجھ لیا، اور ان کے خلاف مسلح یا غیر مسلح جنگ چھیڑ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین کی دعوت واشاعت کا کام انجام پانے سے رہ گیا۔ دین کی دعوت واشاعت کے لیے جن مادی چیزوں کی ضرورت تھی، ان سب کو اہل مغرب نے جدید صنعت اور جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ فراہم کیا۔ اب اہل اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل مغرب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان ذرائع کو دین خداوندی کی تائید کے لیے استعمال کریں۔

اجماع کی حقیقت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری زمانے میں فرمایا تھا: ترکت فیکم أمرین، لن تضلوا ما تمسکتم بھما: کتاب اللہ و سنۃ نبیہ (موطا امام مالک، حدیث نمبر 2618)۔ یعنی میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ اس قولِ رسول سے یہ ثابت ہوا کہ مصدر شریعت صرف دو ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس تعداد میں اضافہ کرکے ان کو تین یا چار بنالے۔

صحابہ اور تابعین کے زمانے میں دین کے بارے میں یہی تصور پایا جاتا تھا۔ اس زمانے میں یہی دو چیزیں مصادر شریعت کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن عباسی خلافت کے زمانے میں فقہاء کا دور آیا۔ اس وقت یہ مان لیا گیا کہ قرآن وسنت کے علاوہ ایک اور مصدر شریعت بھی ہے، اور وہ مسلم علماء کا اجماع ہے۔ فقہاء کے اس اضافے کو عام طور پر مسلمانوں کے درمیان تسلیم کرلیا گیا۔ علماء کے اجماع کو مصدر شریعت کا درجہ دینا، کلی طور پر غلط نہ تھا۔ تاہم اس اجماع کی حیثیت صرف وقتی معنی میں تھی، نہ کہ ابدی معنی میں۔ یعنی اگر مسلمانوں کے درمیان ایک مسئلہ پیدا ہو، اس پر کوئی واضح حکم پہلے سے موجود نہ ہو تو وہ علماء کی مجلس میں زیر بحث آئے گا۔ اس مباحثے کے بعد اگر علماء کے اتفاق رائے سے ایک بات طے ہوجائے تو اس کو اجماع امت کہا جاسکتا ہے۔ لیکن شریعت کے ابدی مصدر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک پیش آمدہ مسئلہ میں وقتی اعتبار سے شریعت کے عملی موقف کو متعین کرنے کے لیے۔

یہ پیش آمدہ مسئلے کا ایک وقتی حل ہے، وہ شریعت اسلامی کا ابدی حصہ نہیں۔ پیش آمدہ مسئلے میں اس قسم کے ''اجماع یا اتفاق رائے'' کو وقتی معنی میں قابل اتباع سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ گنجائش یقیناً باقی رہے گی کہ بعد کو نئے حالات میں علماء کوئی نیا فیصلہ دیں۔ اس معاملے میں علماء کسی ''سابق اجماع'' کے پابند نہ ہوں گے۔ گویا کہ اس قسم کا اجماع پیش آمدہ مسئلہ کو حل کرنے کی ایک وقتی تدبیر ہے، نہ یہ کہ اس کو ہمیشہ کے لیے شریعت کا ایک مستقل مصدر (source) مان لیا جائے۔

اجتہاد کیا ہے

اجتہاد کا لفظی مطلب ہے پوری کوشش کرنا (to strive)۔ اجتہاد کا لفظ حدیث کی دو روایتوں میں آیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں اجتہاد کا مطلب ہے، کسی معاملہ میں امر شرعی معلوم کرنے کی کوشش کرنا۔ قرآن میں اس کے ہم معنی لفظ استنباط (النساء:83) آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے، نتیجہ اخذ کرنا (to infer)۔

اجتہاد یا استنباط کی کوئی لازمی شرط (condition) نہیں ہے۔ ہر آدمی اجتہاد اور استنباط کا عمل کرسکتا ہے۔ اس کی شرط صرف یہ ہے کہ کسی اجتہاد یا استنباط کو مطلق نہ سمجھا جائے، بلکہ اس کو نظر ثانی کا موضوع (subject to re-examination) سمجھا جائے۔ حدیث میں آیا ہے: إذا حکم الحاکم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حکم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر (صحیح البخاری، حدیث نمبر 7352)۔ یعنی جب کوئی حاکم فیصلہ دے اور وہ اجتہاد کرے اور اس کا وہ حکم درست ہو تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر اس نے کوئی ایسا حکم دیا جس میں اس نے اجتہاد کیا لیکن وہ خطا کر گیا تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا اجتہاد مطلق اجتہاد نہیں ہے۔ ہر شخص کا اجتہاد نظر ثانی کا موضوع (subject to re-examination) ہے۔ اجتہاد کے حق ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر کسی کے اجتہاد کو جانچا نہیں جائے گا۔ بلکہ اس اعتبار سے جانچا جائے گا کہ بحث و تحقیق کے بعد اس کا اجتہاد درست ثابت ہوا ہے یا وہ ایک غلط اجتہاد تھا۔ اجتہادی خطا پر ایک اجر کا وعدہ، یہ معنی رکھتا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کسی حال میں بند نہیں۔ بلکہ جو دروازہ بند ہے، وہ صرف یہ کہ کسی کے اجتہاد کو تنقید سے بالاتر سمجھ لیا جائے، اور یہ عقیدہ بنالیا جائے کہ فلاں شخص امام برحق یا مجتہد مطلق ہے، اور اس کے اجتہاد کو کسی مزید تحقیق کے بغیر تسلیم کرنا چاہیے۔ گویا کہ خود اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے، بلکہ نبی کے سوا کسی اور کو مطلق شارع سمجھنے کا دروازہ بند ہے۔

منسوخ، موقوف

دین کے احکام ممکن طور پر دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو قابل تنسیخ ہوں، اور دوسرا وہ جن کو منسوخ تو نہ کیا جاسکتا ہو، لیکن ان کو وقتی طور پر موقوف کرنا درست ہو۔ کسی شرعی حکم کو منسوخ (abrogate) کرنا ایک اصولی معاملہ ہے۔ اور اصولی معاملہ میں تغیر کا حق صرف شارع کو ہے، اور جہاں تک موقوف (suspend) کرنے کا معاملہ ہے، وہ ایک اجتہادی معاملہ ہے، اور امت کے علماء دلائل شرعیہ کے ذریعہ بطور اجتہاد ایسا کرسکتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ کے مدنی دور میں وقتی طور پر قبلۂ یہود کو قبلہ مسلمین قرار دے دیا گیا، لیکن بعد کو یہ حکم متروک ہو گیا (البقرۃ : 144-143)۔ یعنی کعبہ ابدی طور پر اہل اسلام کا قبلہ قرار پایا۔ اب کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس حکم میں تغیر کرے۔

کسی حکم کو موقوف قرار دینے کا معاملہ ایک اجتہادی معاملہ ہے۔ مثلاً اعداد قوت کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ اس سے مراد تیر اندازی ہے۔ پیغمبر اسلام نے قرآن (8:60) کی آیت پڑھی: وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة، اور کہا: ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة الرمي (صحیح مسلم، حدیث نمبر 167)۔ موجودہ زمانے میں اس حکم کی حیثیت ایک موقوف حکم کی ہے، لیکن اگر کسی وقت حالات کا تقاضا ہو کہ رمی کے طریقے کو دوبارہ اختیار کیا جائے، تو اس طریقے کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ گویا کہ کسی حکم کا موقوف ہونا، ہمیشہ مشروط معنی میں ہوتا ہے۔

کسی حکم کو منسوخ قرار دینے کا اختیار صرف شارع کو ہے، یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کو، اور جہاں تک موقوف قرار دینے کا معاملہ ہے، یہ ایک اجتہادی فعل ہے۔ امت کے علماء کو یہ حق ہے کہ وہ قانون ضرورت (law of necessity) کے تحت کسی حکم کو وقتی طور پر موقوف قرار دے دیں۔

اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ اصحاب رسول کے زمانے میں اہل فتنہ سے قتال کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ حکم چوں کہ شریعت کے متن میں موجود ہے، اس لیے کوئی شخص اس کو منسوخ نہیں قرار دے سکتا، البتہ ضرورت شرعیہ کے تحت بطور اجتہاد اس حکم کو موقوف قرار دیا جاسکتا ہے۔

انٹلکچول ٹریپ

قرآن میں ایک حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ (5:18)۔ یعنی اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ تم کہو کہ پھر وہ تمہارے گناہوں پر تم کو سزا کیوں دیتا ہے۔ نہیں، بلکہ تم بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں سے ایک فرد ہو۔

انسان کا یہ مزاج ہے کہ وہ کسی خود ساختہ نظریہ کے تحت شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو اسپیشل سمجھنے لگتا ہے۔ کبھی نسل کی بنیاد پر، کبھی مذہب کی بنیاد پر، کبھی کلچر کی بنیاد پر، کبھی اپنے علاقے کی بنیاد پر، کبھی کسی اور بنیاد پر۔ جو لوگ اس طرح اپنے آپ کو اسپیشل سمجھ لیں، وہ عملاً ایک قسم کے ذہنی شکنجہ (intellectual trap) میں پھنس جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ذہنی جمود (intellectual stagnation) میں مبتلا ہوجاتے ہیں، ان کے اندر تخلیقی سوچ ختم ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے اوپر سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اپنے بارے میں نظر ثانی کریں۔ اپنی غلطی کو ماننا ان کے مزاج میں باقی نہیں رہتا۔ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھ لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے اپنے رہنما، رہنمائے اعظم بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے اہل علم کو مفکر اعظم سمجھ لیتے ہیں۔ ان کی اپنی شخصیتیں، عہد ساز شخصیتوں کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر سمجھ لیتے ہیں کہ غلطی دوسروں کی ہے، نہ کہ ہماری۔ ایسے لوگ موضوعی سوچ (objective thinking) سے محروم ہوجاتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں رہتے کہ وہ اپنے معاملات کی حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی (realistic planning) کریں۔ ترقی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ لوگوں میں خود اپنے آپ پر تنقید (self criticism) کا مزاج ہو، اور ایسے لوگوں میں یہ مزاج مکمل طور پر ختم ہوجاتا ہے۔ وہ تعریف کرنے والے کو اپنا دوست اور تنقید کرنے والے کو اپنا دشمن سمجھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ترقی کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری سے باہر آئیں۔

ملت ابراہیم

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن میں ایک سے زیادہ بار اتباع ملت ابراہیم کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ملت ابراہیم کیا ہے؟ براہ کرم واضح کریں (ایک قاری الرسالہ، لکھنؤ)۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ چیز جس کو ہم ملت ابراہیم یا ابراہیمی ملت کہتے ہیں، وہ وہی ہے جس کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں تین بڑے آسمانی مذاہب ہیں —— دین یہود، دین نصاریٰ، اور دین محمد۔ ان تینوں مذاہب کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم تھے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم کو قرآن میں امام الناس (البقرۃ، 2:124) کہا گیا ہے۔ تینوں مذاہب کے بانی حضرت ابراہیم کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی اسی جامعیت کی بنا پر قرآن میں ان کو امۃ (النحل، 16:120) کہا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم تقریباً چار ہزار سال پہلے قدیم عراق میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم ایک صاحب کتاب پیغمبر تھے (الاعلیٰ، 87:19)۔ اگرچہ ان کی کتاب آج محفوظ نہیں۔ اسی طرح بقیہ تینوں مذاہب کے انبیاء میں سے حضرت موسی، اور حضرت مسیح صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ تاہم ان کی کتابیں بھی آج پوری طرح محفوظ حالت میں نہیں ہیں۔

حضرت محمد نے اسی بارے میں یہ کہا کہ میں اسی دین کو لے کر آیا ہوں جس دین کو لے کر حضرت ابراہیم آئے تھے (النحل، 16:123)۔ اس اعتبار سے رسول اللہ کا مشن دین ابراہیم کی تجدید کا مشن تھا۔ رسول اللہ کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ آپ کا لایا ہوا دین ہر اعتبار سے محفوظ دین تھا، اور اب حق کے متلاشی کو اسی دین محمدی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ کیوں کہ اب اللہ کا دین اپنی محفوظ حالت میں صرف دین محمدی میں پایا جاتا ہے۔ مکہ کے قریش اگرچہ عملاً شرک پر قائم تھے، لیکن وہ اپنے مذہب کو حضرت ابراہیم کے ساتھ وابستہ کرتے تھے۔ اس لیے وسیع تر پہلو سے قریش بھی اس خطاب میں شامل ہیں۔ یہود و نصاریٰ اس خطاب میں براہ راست طور پر شامل تھے، اور قریش بالواسطہ طور پر۔

خدا کا وجود

خدا اپنی ذات کے اعتبار سے انسان کو دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن اپنی صفات کے اعتبار سے وہ مکمل طور پر دکھائی دینے والی حقیقت ہے۔ جو لوگ خدا کو اس کی صفات کے اعتبار سے دیکھ لیں، وہی آنکھ والے لوگ ہیں۔ اس کے برعکس، جو لوگ یہ کہیں کہ خدا کو اپنی ذات کے اعتبار سے ہمیں دکھاؤ، وہ بلاشبہ اندھے لوگ ہیں۔ وہ بظاہر آنکھ والے لوگ ہیں، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ بے آنکھ والے ہیں۔ کیوں کہ وہ عقل رکھتے ہوئے اپنی عقل کو استعمال نہیں کر سکے۔ وہ اپنی ظاہری آنکھ کو تو کھولتے ہیں، لیکن وہ اپنی عقل کی آنکھ کو بند رکھتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں یہ بات ہر حقیقت سے زیادہ بڑی حقیقت بن چکی ہے۔ موجودہ زمانے میں جس چیز کو سائنس کہا جاتا ہے، وہ کیا ہے۔ سائنس انسان کی عقلی آنکھ ہے۔ اس عقلی آنکھ نے موجودہ زمانے میں انسان کو وہ چیزیں دکھادی ہیں، جس کو اس سے پہلے انسان نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اب انسان اس قابل ہو چکا ہے کہ وہ عالم اصغر (micro world) کو مائکرواسکوپ کے ذریعہ دیکھے۔ جب کہ اس سے پہلے وہ انسان کے لیے مکمل طور پر ناقابل مشاہدہ تھا۔ اسی طرح انسان کے لیے اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ وہ عالم کبیر (macro world) کو عقل کی آنکھ سے دیکھے۔ وہ ٹیلسکوپ کے ذریعہ ایسی چیزوں کو دیکھ سکے، جو پہلے اس کے لیے ناقابل مشاہدہ بنی ہوئی تھیں۔

آج مائکرواسکوپ نے ان چیزوں کو انسان کے لیے قابل مشاہدہ بنا دیا ہے، جو پچھلے زمانے میں ناقابل مشاہدہ سمجھی جاتی تھیں۔ اسی طرح ٹیلسکوپ نے وہ چیزیں انسان کو دکھادی ہیں، جو پچھلے زمانے میں انسان کے لیے ناقابل مشاہدہ بنی ہوئی تھیں۔ یہ واقعہ ایک سراغ (clue) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سراغ بتاتا ہے کہ یہ معاملہ خدا کو نہ دیکھنے کا نہیں ہے، بلکہ یہ اپنی عقل کے کم تر استعمال کا ہے۔ اگر انسان اپنی عقل کا برتر استعمال جان لے تو خدا اس کے لیے مشاہدہ کے درجے میں قابل دریافت بن جائے گا۔ وہ خدا کو اس طرح جان لے گا جیسے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

کامیاب منصوبہ بندی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سن 6 ہجری کے آخر میں مکہ کے لیڈروں سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ جو حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ عام طور پر حدیبیہ کو غزوۃ الحدیبیہ کہا جاتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیوں کہ حدیبیہ کے موقع پر فریقین کے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس، جو ہوا وہ یہ تھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان باہمی امن کا معاہدہ ہوا۔

الحدیبیہ عرب کے ایک علاقہ کا نام ہے، جو مدینہ اور مکہ کے تقریباً درمیانی مقام پر واقع ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پروگرام کے تحت یہاں دو ہفتہ قیام کیا۔ یہاں آپ نے مکہ کے لیڈروں سے گفت وشنید (negotiation) کی۔ اس کے بعد فریقَین کے درمیان دس سال کے لیے ایک ناجنگ معاہدہ (no-war pact) ہوا۔ اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد مدینہ پہنچنے سے پہلے وہ سورہ نازل ہوئی جو الفتح کے نام سے قرآن میں شامل ہے۔ اس سورہ میں حدیبیہ کے واقعہ کو فتح مبین (clear victory) بتایا گیا ہے۔

جب حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، اس وقت اہل اسلام کو کوئی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی۔ صرف یہ ہوا تھا کہ فریقَین کے درمیان امن کا معاہدہ (peace treaty) عمل میں آیا تھا۔ ایسی حالت میں اس واقعہ کو فتح مبین کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ حال کی نسبت سے نہیں، بلکہ مستقبل کی نسبت سے تھا۔ اس اعتبار سے فتح مبین کا مطلب گویا فاتحانہ منصوبہ (victorious planning) کے ہم معنی ہے۔ رسول اللہ کی سنتوں میں سے ایک اہم سنت وہ ہے جس کو فاتحانہ منصوبہ بندی کہا جا سکتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ سے نکلے تھے، مکہ جانے کے لیے۔ لیکن وہ معاہدہ کے مطابق حدیبیہ سے واپس مدینہ آگیے۔ اس لحاظ سے حدیبیہ کا واقعہ بظاہر ایک پسپائی کا واقعہ تھا۔ پھر اس کو فتح مبین کیوں کہا گیا۔ وہ اس لیے تھا کہ حدیبیہ کی بظاہر پسپائی اپنے نتیجے کے اعتبار سے فتح مبین تھی۔

قیام لیل

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامِ لیل کا حکم دیتے ہوئے قرآن میں یہ آیات آئی ہیں: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۔ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا۔ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا (73:4-6)۔ یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ بیشک رات کا اٹھنا سخت روندنے والا ہے اور فہم کلام کے لئے نہایت خوب ہے۔

اس آیت میں أشد وطأ کا لفظ قیامِ لیل کی نسبت سے آیا ہے۔ یعنی اس سے نفس روندا جاتا ہے، اور اقوم قیلا کا تعلق فہم کلام سے ہے۔ یعنی اس سے آدمی اس قابل بنتا ہے کہ وہ کلام کو زیادہ بہتر طریقے پر سمجھ سکے۔ یہ بات بظاہر پیغمبر اسلام کے بارے میں آئی ہے۔ تاہم پیغمبر کی اتباع کے اعتبار سے اس کا تعلق پوری امت سے ہے۔ اس میں پیغمبر کے حوالے سے پوری امت کے لیے رزق کا سامان موجود ہے۔

قرآن کی اس آیت میں وطأ شدید کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام رات کے وقت دیر تک کھڑے ہوکر عبادت کرتے تھے، اس سے آپ کو شدید بوجھ پڑتا تھا، گویا کہ آپ کا جسم روندا جارہا ہے۔ اس وطأ شدید کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے آپ کے اندر قول اقوم کی صلاحیت پیدا ہوتی تھی۔ اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ جسمانی تعب آدمی کے لیے ایک قسم کا زحمت میں رحمت (blessing in disguise) ہوتا ہے۔ اس سے آدمی کی سوچ بیدار ہوتی ہے۔ اس سے آدمی کے دماغ کی کھڑکیاں کھلتی ہیں۔ اس سے آدمی کے اندر زیادہ گہرائی کے ساتھ سوچنے کی صلاحیت جاگتی ہے۔ غالباً اس وطأ شدید میں دوسرے وہ دینی اعمال بھی شامل ہیں، جن میں آدمی کو شدید تعب کا تجربہ ہو۔ جو گویا آدمی کی شخصیت کو روند ڈالے۔ جس میں آدمی کا یہ حال ہو کہ اس کی شخصیت گویا چکی کے دو پاٹ کے درمیان پس گئی ہے۔ اگر ایسا ہو تو وہ آدمی کے اندر اعلیٰ فہم کی صلاحیت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔

جہاد کا حکم

جہاد بمعنی قتال ایک خصوصی حکم ہے۔ جہاد بمعنی قتال کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے، جب کہ مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہو، اوراس کی سرحدوں پر کھلی جارحیت کی جائے۔ اس وقت ذمہ داران سلطنت کی طرف سے جارح سے گفت وشنید کی جائے گی۔ اگر گفت وشنید ناکام ہوجائے تو بقدر ضرورت مسلمانوں کی طرف سے منظم دفاع کیا جائے گا۔ یہی شرعی جہاد ہے۔ اس دفاع کے معاملے میں افراد کا کوئی آزادانہ رول نہیں ہے۔ افراد کو صرف یہ کرنا ہے کہ امیر سلطنت کے حکم کے مطابق، دفاع میں منظم حصہ لیں۔ یہاں اس سلسلے میں ایک حوالہ درج کیا جاتا ہے۔

ابومحمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی حنبلی (1147-1223ء) محدث، فقہ حنبلی کے عالم اور قاضی اور مفکر تھے۔ انھوں نے فقہ حنبلی کے فقہی مسائل پر بیشتر کتب تصنیف کیں۔ وہ حنابلہ کے عظیم فقہاء میں سے ایک ہیں۔ ابن قدامہ کی تصنیف المغنی کا شمار فقہ حنبلی کی بنیادی کتابوں میں ہوتا ہے۔

اس کتاب کا ایک باب ہے: فصل وأمر الجهاد موكول إلى الإمام واجتهاده۔ اس باب کے تحت مصنف لکھتے ہیں: وَأَمْرُ الْجِهَادِ مَوْكُولٌ إلَى الْإِمَامِ وَاجْتِهَادِهِ، وَيَلْزَمُ الرَّعِيَّةَ طَاعَتُهُ فِيمَا يَرَاهُ مِنْ ذَلِكَ (المغنی، 9/202/7423)۔ یعنی جہاد اور اس کے اجتہاد کا معاملہ امام کے ذمہ (assigned) ہے، اور رعیت پر لازم ہے کہ وہ اس معاملے میں جو حاکم کی رائے ہو، اس کی اطاعت کرے۔

جہاد بمعنی قتال ایک منظم دفاعی امر ہے۔ جہاد کو شروع کرنا، اوراس کو ختم کرنا، دونوں باقاعدہ طور پر قائم شدہ حکومت کا کام ہے۔ اس معاملے میں افراد کا رول صرف حاکم کی اطاعت ہے، نہ کہ بطور خود جارح کے خلاف کوئی کارروائی کرنا۔ نماز بغیر امیر کے بھی ہوسکتی ہے، لیکن جہاد بمعنی قتال امیر کے بغیر سرتاسر ناجائز ہے۔

دعوت کا اسلوب

قرآن کا ایک حکم ان الفاظ میں آیا ہے: فَأَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُل لَّهُمۡ فِيٓ أَنفُسِهِمۡ قَوۡلَۢا بَلِيغٗا (4:63)۔ یعنی پس تم ان سے اعراض کرو اور ان کو نصیحت کرو اور ان سے ایسی بات کہو جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔

اس آیت میں قول بلیغ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی تفسیر میں قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (وفات 1810ء) نے لکھا ہے: اي فی حق أنفسهم قَوۡلًا بَلِيغاً يبلغ صميم قلوبهم بالتأثير (تفسیر المظہری، 2/157)۔ یعنی اپنی بات ایسے اسلوب میں کہو جس کی تاثیر ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر جائے ہو۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ ایسا اسلوب جو ان کے ذہن کو ایڈریس (address) کرنے والا ہو۔ یہاں اسلوب بلیغ کی یہ بات بظاہر مدعو کی نسبت سے ہے، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ داعی کی نسبت سے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی کو چاہیے کہ وہ مدعو سے خطاب کرنے سے پہلے مدعو کے ذہن کا مطالعہ کرے۔ وہ جانے کہ مدعو کا مائنڈ سٹ (mindset) کیا ہے، اور پھر مدعو کے مائنڈ سٹ کے مطابق، دعوت کا اسلوب اختیار کرے۔ دعوت یک طرفہ اعلان (one-sided announcement) کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک منصوبہ بند عمل کا نام ہے۔ داعی کو چاہیے کہ وہ مدعو کے لیے قابلِ فہم (understandable) انداز کو سمجھے، پھر اس کے بعد اپنے آپ کو اس کے مطابق تیار کرے۔

مثلاً زمانہ اگر بدل جائے، اور مدعو اگر نئے اسلوب میں سوچنے والا بن گیا ہو تو اس کو قدیم طرز کے متروک اسلوب میں خطاب کرنا، دعوت کا مطلوب طرز نہ ہوگا۔ مدعو اگر حقائق کی زبان میں سوچنے والا ہو تو اس کو قیاس و مثال کے ذریعہ خطاب کرنا، دعوت کا مطلوب انداز نہ ہوگا۔ مدعو اگر عقلی تجزیہ (rational analysis) کے انداز میں سوچتا ہو تو اس کو جذباتی انداز میں کلام کرنا، مطلوب اسلوب کلام نہ ہوگا، وغیرہ۔

خلاق علیم

اللہ رب العالمین کی ایک صفت خلاق علیم ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یہ ہے :
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (36:81)۔ یعنی کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسوں کو پیدا کر دے۔ ہاں وہ قادر ہے۔ اور وہی ہے بڑا پیدا کرنے والا، جاننے والا۔

اس آیت میں جس طرح خلّاق (the Great Creator) آیا ہے، اسی طرح اس میں علیم سے مراد علّام (the Great Knower) ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین خلّاق اور علّام ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی کائنات اپنے آپ میں اس کا ثبوت ہے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن کی ایک آیت میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے: أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (21:30)۔ یعنی کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں رَتق کی حالت میں تھے، پھر ہم نے ان کو فتق کیا۔ اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا۔ کیا پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔

رتق کا مطلب ہے منضم الاجزاء (joined together)، اور فتق کا مطلب ہے پھاڑنا (to tear apart)۔ اس آیت کی ابتدا میں أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا (کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا) کے الفاظ آئے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ رتق اور فتق کا یہ واقعہ انسان کے لیے مشاہدہ کے درجے میں ایک معلوم واقعہ ہے۔ بیسویں صدی عیسوی میں یہ واقعہ سائنسی دریافتوں کے نتیجے میں علمی طور پر ایک معلوم واقعہ بن چکا ہے۔ جس کو عام زبان میں بگ بینگ (Big Bang) کہا جاتا ہے۔ سائنسی دریافت کے مطابق، بگ بینگ کا واقعہ تقریبا تیرہ بلین سال پہلے خلا (space) میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی جو تفصیلات سائنس نے دریافت کی ہے، وہ قرآن کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

اس دریافت کے مطابق، بگ بینگ کا فلکیاتی واقعہ حیرت انگیز طور پر اس بات کا سائنسی ثبوت ہے کہ کائنات کا پیدا کرنے والا خلّاق بھی ہے اور علّام بھی۔ یعنی وہ عظیم خالق بھی ہے اور عظیم جاننے والا بھی۔ کائنات کا پیدا کرنے والا اگر خلّاق (بڑا پیدا کرنے والا) اور علّام (بڑا علم والا) نہ ہوتو کائنات کا وجود میں آنا ہی ناممکن ہوجاتا۔ خلّاق اور علّام کے الفاظ صرف پیدائش کی خبر نہیں ہے، بلکہ وہ پیدائش کے واقعہ کی دلیل بھی ہے۔

سائنس نے جس کائناتی واقعہ کو دریافت کیا ہے، وہ یہ ہے کہ تقریبا تیرہ بلین سال پہلے اچانک خلا میں ایک بہت بڑا ایٹم ظاہر ہوا اس سوپر ایٹم (super atom) کے اندر وہ تمام پارٹکل موجود تھے، جن کے مجموعے سے موجودہ کائنات بنی ہے۔ پھر اچانک اس سوپر ایٹم میں بہت بڑا دھماکہ ہوا۔ اس عظیم دھماکے کے بعد سوپر ایٹم کے تمام پارٹکل غیر معمولی تیزی کے ساتھ خلا میں دوڑنے لگے۔ ان کی رفتار (speed) بے حد تیز تھی۔ اگر پارٹکل کا یہ انتشار اسی تیزی کے ساتھ جاری رہتا تو موجودہ کائنات کا بننا ناممکن تھا۔ کیوں کہ اس کے تمام پارٹکل بے حد تیزی کے ساتھ خلا میں منتشر ہوجاتے۔ ان کا اجتماع ناممکن ہوجاتا۔ اس لیے کائنات کا بننا بھی ناممکن ہوجاتا۔

سائنسی دریافت بتاتی ہے کہ سوپر ایٹم کے پھٹنے کے بعد کچھ سیکنڈوں کے اندر پارٹکل کے انتشار کی رفتار اچانک کم ہوگئی۔ رفتار کا یہ کم ہوجانا بے حد اہم تھا۔ کیوں کہ اسی کی وجہ سے منتشر پارٹکل دوبارہ مجتمع ہونے لگے، اور ان کے اجتماع سے تمام ستارے اور کہکشائیں، اور شمسی نظام، وغیرہ، وجود میں آئے۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ جس ہستی نے سوپر ایٹم میں یہ انفجار برپا کیا، وہ سب سے زیادہ طاقت ور ہونے کے ساتھ سب سے بڑا جاننے والا بھی تھا۔ اس واقعہ کا اس کے خالق کو پیشگی علم تھا۔ اس علم کے مطابق اس نے اس معاملے کی پلاننگ کی۔ سیکنڈ کے فریکشن میں ہونے والے اس واقعہ کا اس کو پیشگی علم نہ ہوتا تو ساری پلاننگ عبث ہوجاتی، اور کائنات کا وجود میں آنا ناممکن ہوجاتا۔ یہ سائنسی دریافت رب العالمین کے خلّاق وعلّام ہونے کا ایک یقینی ثبوت ہے۔

مسجد کا مسئلہ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسجد کی تعمیر ایک ابدی تعمیر ہے۔ جس مقام پر ایک بار مسجد بن جائے، وہاں وہ مسجد ہمیشہ قائم رہے گی، اُس کا وہاں سے ہٹانا جائز نہیں۔ مسجد کے بارے میں یہ مسئلہ اسلام کے بعد کے زمانے میں عباسی دور میں کچھ فقہا نے وضع کیا۔ لیکن قرآن یا حدیث میں مسجد کے بارے میں ایسا کوئی مسئلہ ہرگز موجود نہیں۔ موجودہ زمانے کے بعض علما نے اس مسئلہ کو اجتہادی مسئلہ بتایا ہے۔ یعنی ضرورت کے تحت مسجد کو اس کے سابق مقام سے ہٹایا جاسکتا ہے، اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ حنبلی فقہ واضح طور پر اس مسئلے کی تائید کرتی ہے۔

مشہور حنبلی عالم ابن قدامہ (1147-1223ء) نے اپنی کتاب المغنی میں لکھا ہے: ولو جاز جعل أسفل المسجد سقاية وحوانيت لهذه الحاجة، لجاز تخريب المسجد وجعله سقاية وحوانيت ويجعل بدله مسجدا في موضع آخر (المغنی لابن قدامہ، 6/30)۔ یعنی اگر ضرورت کے تحت مسجد کے نچلے حصہ کو سقایہ (پانی کا حوض) اور دکان بنانا جائز ہے، تو مسجد کو ڈھانا اور اس کو سقایہ اور دکان بنانا بھی جائز ہے، اور اس کے بدلے میں دوسری جگہ ایک مسجد بنائی جائے گی۔

اسلام میں مسجد کی عمارت کا مسئلہ ضرورت کی بنیاد پر ہے، نہ کہ تقدس کی بنیاد پر۔ جدید دور میں جب سٹی پلاننگ کا زمانہ آیا تو مسلم شہروں مثلاً مکہ، مدینہ، وغیرہ، میں بڑی تعداد میں قدیم مسجدیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل (relocate) کی گئیں۔ کیوں کہ یہ قدیم مسجدیں سٹی پلاننگ (city planning) میں رکاوٹ ثابت ہورہی تھیں۔ مثلاً اگر ایک مسجد بلال کے نام پر کہیں واقع تھی، تو اسی نام سے دوسری مسجد پہلے مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ پر بنادی گئی، اور مسجد کے مقام پر شہری منصوبہ کے مطابق نئی تعمیر کی گئی۔ مسجد کی عمارت بلاشبہ ایک قابل احترام عمارت ہے۔ لیکن ضرورت کے تحت کسی مسجد کی عمارت کے مقام کو تبدیل کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

آج کا نوجوان

پاکستان کے مشہور تعلیمی ادارہ، لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) میں ”یک روزہ بک فیر“ کا پروگرام تھا۔ ہمارے ایک ساتھی، مسٹر طارق بدر نے وہاں بک اسٹال لگایا۔ یہ بک اسٹال بہت زیادہ کامیاب رہا۔ مسٹر طارق بدر نے بک فیر کے اختتام پر اپنا تاثر ان الفاظ میں لکھا ہے:

LUMS Book Fair is going great. Students are taking copies of the English Quran and giving such comments: "I was looking for it","I need it" and "Can I have one for my friend". An important learning I had was that today we need to work among the youth, as they are pure seekers and want to understand the true religion. Unfortunately, all other Islamic literature does not address their minds. How our stock of 350 English Qurans finished was a great surprise and students' excitement after receiving their free copies was unbelievable. Another book which was sold in good amount was *Leading A Spiritual Life*. Let's pray that we spread this message to all universities here. We are thankful for Affan, who is doing PhD from LUMS and is part of our team.This was his initiative.

برٹش دور میں جب غیر منقسم انڈیا میں ماڈرن ایجوکیشن کا آغاز ہوا تو تقریباً تمام مذہبی طبقہ، اور اسلامی تحریکیں ان کے خلاف ہوگئیں۔ اکبر الہ آبادی نے اس تعلیم کے بارے میں کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا   افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس زمانے میں کالج اور یونیورسٹی کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ تعلیم گاہیں نہیں ہیں، بلکہ وہ قتل گاہیں ہیں۔ یہی حال تقریباً تمام ان لوگوں کا تھا، جو اسلام پسند کہے جاتے تھے، اور احیائے اسلام کا جھنڈا بلند کیے ہوئے تھے۔ مگر تجربے نے بتایا کہ یہ تعلیم ہمارے نوجوانوں کے لیے ڈی کنڈیشننگ کا ذریعہ تھی۔ اس تعلیمی نظام میں جو لوگ پڑھ کر نکلے، وہ ”قتل“ نہیں ہوئے، بلکہ جدید تعلیم نے ان کے اندر نئی اسلامی بیداری پیدا کردی — وقت کی ضرورت یہ ہے کہ سیکولر تعلیم یافتہ لوگوں پر فتوی لگانے کے بجائے، ان کے مائنڈ کو ایڈریس کرنے والا لٹریچر تیار کیا جائے۔

خوف کی نفسیات

بیسویں صدی عیسوی مسلم دنیا کے لیے تحریکوں کی صدی (the century of milli activities) ہے۔ اس پوری صدی کے اندر مسلم دنیا کے ہر حصے میں کوئی نہ کوئی بڑا مسلم رہنما سرگرم عمل نظر آتا ہے۔ ان تحریکوں کا خلاصہ کیا جائے تو سب کا قدر مشترک ایک ہوگا۔ وہ ہے خوف کی نفسیات۔ ہر مسلم رہنما کسی نہ کسی دشمن کے خوف کو لے کر مسلمانوں کو اس کے خلاف عمل پر ابھار رہا تھا۔ کہیں نوآبادیاتی طاقتوں کے خلاف، کہیں اسرائیل کے خلاف، کہیں ہندو اکثریت کے خلاف، کہیں ظالم قوم کے خلاف، کہیں مغربی طاقتوں کے خلاف، کہیں صہیونیت کے خلاف، وغیرہ۔

یہ ایک عام تجربہ ہے کہ لوگوں کو محبت انسانی کے اوپر اٹھایا جائے تو کبھی ایسی تحریک کو عوامی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس، جو لیڈر لوگوں کو خوف کی نفسیات پر ابھارے، اس کے جھنڈے کے نیچے بے شمار لوگوں کی بھیڑ اکٹھا ہوجاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کے اندر اپنے خالق و منعم کا خوف پیدائشی طور پر موجود ہے۔ انسان فطری طور پر اس احساس میں جیتا ہے کہ جس خالق نے ہم کو تمام نعمتیں دی ہیں، اگر وہ ان نعمتوں کو چھین لے تو ہمارا کیا انجام ہوگا۔ یہ نفسیات انسان کے اندر خالق کی نسبت سے رکھی گئی ہے، تاکہ ہر انسان ذمہ دار انسان بن کر دنیا میں رہے۔ مگر غیر دانش مند لیڈر اپنے انٹرسٹ کے لیے اس نفسیات کو مفروضہ انسانی دشمنوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری انسانی تاریخ ایک عظیم نقصان سے دوچار ہورہی ہے۔ خوف کی نفسیات جو انسان کے اندر خدا کی نسبت سے رکھی گئی تھی، وہ انسان کی نسبت سے استعمال ہونے لگی۔ جس نفسیات کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ انسان کے اندر خدارخی مزاج بنے، وہ انسان کے خلاف منفی مزاج پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ انسان خالق سے ڈرے تو اس کے نتیجے میں اس کے اندر یہ نفسیات جاگتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو انسان درست آدمی بنائے۔ اس کے برعکس، جب یہ نفسیات انسان کی نسبت سے استعمال ہونے لگے تو ہر آدمی دوسرے کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

سیاسی کنڈیشننگ میں جینا

انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں مسلمانوں کے اندر بہت سی تحریکیں اٹھیں۔ ان تحریکوں کے ٹائٹل الگ الگ تھے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے سب کا نشانہ ایک تھا— مسلمانوں کی سیاسی عظمت کو دوبارہ زندہ کرنا۔ ان میں سے کسی تحریک کا ٹائٹل حکومت الٰہیہ تھا اور کسی کا اقامت دین، کسی کا ٹائٹل امامت کبریٰ تھا اور کسی کا ٹائٹل خلافت اسلامیہ، کسی کا ٹائٹل اسلامی نظام تھا اور کسی کا ٹائٹل اسلامی عدل، کسی کا ٹائٹل تہذیب اسلامی کا احیا تھا اور کسی کا ٹائٹل امت کی نشاۃ ثانیہ، کسی کا ٹائٹل شریعت کا نفاذ تھا اور کسی کا ٹائٹل خلافت علیٰ منہاج النبوۃ، وغیرہ۔ لیکن اگر ان کو عملی سرگرمیوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہر ایک دین کے نام پر سیاسی سرگرمیوں میں مبتلا نظر آئے گا۔

اصل یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کو لمبے عرصے تک سیاسی عظمت حاصل ہوئی۔ حالات نے ان کو موقع دیا کہ وہ زمین کے بڑے حصے میں اپنا ایمپائر قائم کرلیں۔ اس کے بعد جب جدید دور آیا تو دوبارہ حالات کے تقاضے کے تحت ان کی سلطنتیں ٹوٹ گئیں، اور دھیرے دھیرے ہر جگہ جمہوری سلطنتیں قائم ہوگئیں۔

یہ سیاسی واقعہ جو پیش آیا، وہ قرآن میں بیان کردہ اس قانون کے تحت ہوا: وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (3:140)۔ یعنی اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن مسلم رہنماؤں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر سیاسی عظمت کو اپنا قومی حق سمجھ لیا۔ وہ اپنی سیاسی عظمت کو واپس لانے کے لیے کوشش کرنے لگے، اور غلط طور پر ان کوششوں کو جہاد کا نام دے دیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری مسلم قوم کے لیے یہ معاملہ سیاسی کنڈیشننگ (political conditioning) کا معاملہ بن گیا ہے۔ اب پولیٹکل پیٹرن کے سوا کوششوں کا کوئی دوسرا پیٹرن ان کو درست پیٹرن نظر نہیں آتا۔ ان کو صرف ایک بات معلوم ہے— جس قوم کو اپنا حریف سمجھیں، اس پر بم مارنا، اور جب اس غلط پلاننگ کا الٹا نتیجہ نکلے تو اپنے آپ کو مظلوم بتا کر ظلم کی شکایت کرنا۔

مشکل حالات

فطرت کا ایک اصول قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: سَیَجۡعَلُ اللّٰہُ بَعۡدَ عُسۡرٍ یُّسۡرًا (65:7)۔ یعنی اللہ عُسر کے بعد عنقریب یسر پیدا کردے گا۔ عسر کا مطلب ہے مشکل (difficulty)، اور یُسر کا مطلب ہے آسانی (ease)۔ قرآن کی یہ آیت طلاق کے حکم کے دوران آئی ہے۔ لیکن یہ فطرت کا اصول ہے، اور اس اعتبار سے اس اصول کا تعلق پوری انسانی زندگی سے ہے۔

اس اصول کے اندر ایک حکمت چھپی ہوئی ہے۔ جب آدمی کے اوپر مشکل حالات آتے ہیں، تو اس کے ذہن میں ایک دباؤ (pressure) پیدا ہوتا ہے۔ اس دباؤ کے تحت وہ زیادہ سوچنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ معاملے کے نئے نئے پہلو اس کی سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ مشکل سے پہلے اگر وہ ایک غیر تخلیقی ذہن تھا، تو مشکل کے بعد وہ ایک تخلیقی ذہن (creative mind) بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ زیادہ اہلیت کے ساتھ صورت حال کا سامنا کرے۔ وہ زیادہ بہتر طور پر مواقع (opportunities) کو دریافت کرسکے۔

اس اصول کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔ گھر کی زندگی، سماج کی زندگی، اور وسیع تر معنوں میں قومی اور بین اقوامی زندگی۔ حقیقت یہ ہے کہ مشکل کی حیثیت انسانی زندگی میں معلّم کی ہے۔ کسی نے درست طور پر کہا ہے کہ مشکل انسان کو انسان بناتی ہے:

It is not ease but effort, not facility but difficulty that makes men.

فطرت کا نظام اس طرح بنا ہے کہ انسان کو کبھی اپنی مرضی کے مطابق بالکل آسان حالات نہ ملیں ، اس کو مشکلات کی جھاڑیوں سے گزرنا پڑے۔ یہ صورت حال انسان کی شخصیت کی تعمیر کرنے کے لیے ہے۔ یہ صورتِ حال ایک انسان کو غیر پختہ شخصیت (immature personality) کے بجائے پختہ شخصیت (mature personality) بنادیتی ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ

ختم نبوت کا عقیدہ فضیلت کا عقیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح ختم نبوت کا عقیدہ عدد (number) کی تکمیل کا نام نہیں ہے۔ختم نبوت کے عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت باعتبار رہنمائی قیامت تک جاری رہے گی۔ نبوت محمدی کا تسلسل باعتبار رہنمائی غیر منقطع طور پر اور مسلسل طور پر قیامت تک قائم رہے گا۔ یہ تسلسل ختم نبوت کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر پیغمبرانہ رہنمائی کا تسلسل ٹوٹ جائے تو اللہ کے قانون کے مطابق نئے پیغمبر کا آنا لازم ہوجائے گا، اوراب کوئی نیا پیغمبر آنے والا نہیں۔

البتہ ایک چیز کی ضرورت ہمیشہ باقی رہے گی، اور وہ ہے مخاطب کی نسبت سے پیغمبرانہ رہنمائی کی تفہیم۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ زمانہ میں تبدیلیاں آتی ہیں۔لوگوں کا فکری اسلوب بدلتا رہتا ہے۔اس بنا پر ضرورت ہوتی ہے کہ ہر زمانہ کے مخاطبین کے لیے پیغمبرانہ رہنمائی کو قابل فہم بنایا جائے تاکہ ان کا ذہن ایڈریس ہو۔ یہ کام تفہیم وتشریح کا کام ہے، نہ کہ کسی قسم کے اضافہ کا کام۔

مثال کے طور پر پیغمبرانہ ہدایت میں ایک تصور توبہ (repentance) کا ہے۔توبہ کا لفظی مطلب ہےلوٹنا، رجوع کرنا۔ دوسرے لفظوں میں پٹری سے اترنے (derailment) کے بعد دوبارہ پٹری پر واپس لانا۔ اگر کوئی شخص اس معاملے کو ان الفاظ میں بیان کرے کہ توبہ کا مطلب ہے فرسٹ چانس کھوئے جانے کے بعد سیکنڈ چانس کو اویل (avail) کرنا۔تو یہ ایک تفہیم کے اسلوب کی بات ہوگی۔اس کا مقصد یہ ہوگا کہ مخاطب کا ذہن ایڈریس ہو، اوراس کے اندر عمل کی آمادگی پیدا ہو۔اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ کسی گم شدہ کڑی سے لوگوں کو دوبارہ باخبر کیا جائے۔

یہی دین کی تجدید ہے۔ تجدید کا مطلب ہے نیا کرنا۔ نیا کرنے کا یہ عمل ریفارمیشن (reformation) کا عمل ہے۔ یہ دین کی وضاحت کرنے کا عمل ہے۔تجدید دین سے مراد تفہیم دین کی تجدید ہے، نہ کہ خود دین کی تجدید۔

بڑھاپا ریمائنڈر کا زمانہ

بڑھاپے کا زمانہ یاد دلاتا ہے کہ اب انسان کے لیے موت کا وقت قریب آچکا ہے۔ بڑھاپے کا زمانہ یاددلاتا ہے کہ پہلا دورِ حیات ختم ہوا، اور اب دوسرا دورِ حیات شروع ہونے والا ہے۔ بڑھاپے کا زمانہ یاددلاتا ہے کہ وہ وقت قریب آچکا ہے، جس کو قرآن میں یَوْمَ یَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِینَ (83:6) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

بڑھاپا یاددلاتا ہے کہ انسان کے لیے عمل کا زمانہ ختم ہوچکا ہے، اور اب عمل کے مطابق محاسبہ کا وقت آگیا۔ بڑھاپے کا زمانہ یاددلاتا ہے کہ عارضی دورِ حیات سے گزر کر ابدی دورِ حیات میں داخل ہونے کا وقت قریب آچکا ہے۔ بڑھاپے کا زمانہ یاددلاتا ہے کہ اب اس کا سامنا اس رب العالمین سے ہونے والا ہے جس سے اس کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔

بڑھاپے کا زمانہ یاددلاتا ہے کہ انسان کے لیے وہ وقت قریب آچکا ہے، جس کو قرآن میں یوم التغابن (التغابن، 64:9) کہا گیا ہے۔ یعنی کسی کے لیے ہار کا دن اور کسی کے لیے جیت کا دن۔ بڑھاپے کا زمانہ یاددلاتا ہے کہ عنقریب اس کا داخلہ یا تو ابدی جنت میں ہونے والا ہے، یا اس کے لیے ابدی حسرت (البقرۃ، 2:167) ہوگی۔ بڑھاپے کا زمانہ یاددلاتا ہے کہ آخری توبہ کا وقت قریب آچکا ہے۔ بڑھاپے کا زمانہ یاددلاتا ہے کہ آخری فیصلہ کا وقت قریب آچکا ہے۔

بڑھاپے کا زمانہ آدمی کے لیے گویا فائنل کال (final call) ہے کہ اب تمھارے لیے تلافی مافات کا آخری لمحہ ہے۔ جو کام ماضی میں نہ ہوسکا اس کو اب انجام دینے کی کوشش کرو۔ اب تمھارے لیے آخری وقت ہے کہ تم ماضی کی غلطی کی اصلاح کرلو۔ اب تمھاری زندگی میں جو تھوڑا سا وقت باقی ہے، وہ تمھارے لیے آخری وقت ہے۔ اس کو استعمال کرلو، کیوں کہ اب یہ وقت دوبارہ تمھارے لیے آنے والا نہیں۔ پچھلا زمانہ اگر تم نے سونے میں گزار دیا تو اب جاگ اٹھو۔ کیوں کہ بیداری کا وقت اب دوبارہ آنے والا نہیں۔

غیر متحقق بات کا چرچا

انسان کی ایک کمزوری ہے — غیر ثابت شدہ بات کا چرچا کرنا۔ یعنی سنی ہوئی بات کو بلا تحقیق لوگوں سے بیان کرنا۔ اللہ کی نظر میں یہ عادت اتنی زیادہ غلط ہے کہ اس کو اشاعت فاحشہ (النور، 24:19) کہا گیا ہے۔ اشاعت فاحشہ یہ ہے کہ آدمی کسی کے بارے میں کوئی بری بات سنے تو فوراً اس کو دوسروں سے بیان کرنے لگے۔ یہ عادت بے حد مذموم عادت ہے۔ اس قسم کی عادت یقینی طور پر اللہ کے یہاں قابل مواخذہ ہے۔

سماجی زندگی میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ طرح طرح کی خبریں پھیلتی ہیں۔ لوگوں کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ جب بھی کوئی ایسی بات سنتے ہیں تو وہ فوراً ہی اس کا چرچا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ نہایت غیر ذمہ دارانہ طریقہ ہے۔ سنی ہوئی بات کو بلا تحقیق بیان کرنا، ایک ایسا فعل ہے جو آدمی کے لیے ایک بڑی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے۔

اس طرح کے معاملے میں آدمی کے لیے صرف دو اختیار (options) ہیں۔ ایک یہ کہ خبر کو سن کر اس کو نظر انداز کر دیا جائے، اور اپنے کام میں لگا رہے۔ اگر آدمی ایسا کرے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اس کے لیے نہ دنیا میں اس کی پکڑ ہے، اور نہ آخرت میں۔

لیکن اگر وہ سنی ہوئی خبر کو بطور واقعہ تسلیم کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے انتہائی طور پر ضروری ہے کہ وہ مستند ذرائع سے اس کی تحقیق کرے، اس وقت تک اس خبر کو نہ مانے جب تک ناقابل تردید شواہد سے اس کی تصدیق نہ ہو چکی ہو۔

بے بنیاد خبر کو پھیلانا کوئی سادہ بات نہیں۔ اس کا براہ راست تعلق خود آپ کی اپنی شخصیت سے ہے۔ اگر آپ خبر کو بلا تحقیق بیان کریں تو اس سے آپ کے اندر کمزور شخصیت (weak personality) بنے گی، اور کمزور شخصیت ہی کا دوسرا نام منافقت ہے۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے اندر اس مزاج کو بننے نہ دیں۔

اپنے خلاف

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بظاہر دوسرے کے خلاف بولتا ہے۔ لیکن اس کی بات خود اپنے خلاف ہوتی ہے۔ اکثر آدمی ''وہ'' کی زبان بولتا ہے۔ مگر جو بات وہ کہتا ہے، وہ عملاً ''میں'' کی زبان میں ہوتی ہے۔ یعنی آدمی ایک ایسی بات کہتا ہے، جس میں اس کی زد بظاہر ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ دوسرے کے خلاف ہوتی ہے۔ مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ صرف اس کے اپنے خلاف ہوتی ہے۔

ایسا اس لیے ہے کہ اللہ کے نزدیک ہر معاملے میں انسان کی نیت کو دیکھا جاتا ہے۔ ہر معاملے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ آدمی نے بولنے سے پہلے کیا سوچا۔ اس کی کون سی سوچ تھی، جس کے تحت اس کی زبان سے وہ الفاظ نکلے جن میں اس نے کوئی بات کہی تھی۔ اسی بات کو ایک فارسی شاعر نے ان الفاظ میں کہا ہے: کجا میں نماید، کجا میں زند۔

یعنی تیر چلانے والا بظاہر کسی اور طرف نشانہ لگاتا ہے، لیکن وہ اپنے تیر سے جس کو مارنا چاہتا ہے، وہ کوئی اور ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اس حقیقت کو جانے کہ آدمی جب بھی کوئی بات کہتا ہے تو اس سے پہلے وہ سوچتا ہے۔ سوچنا پہلے ہوتا ہے، اور بولنا اس کے بعد۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بات جو آدمی بولتا ہے، اس کے ذریعہ وہ خود اپنا کردار بنا رہا ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ یہ جانے کہ ہر بولنا ایک عمل ہے۔ بولنے کے دوران آدمی اپنی شخصیت کی تعمیر کر رہا ہوتا ہے، مثبت تعمیر یا منفی تعمیر، کبھی شعوری طور پر اور کبھی غیر شعوری طور پر۔

ہر عورت اور مرد کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مثبت بنیادوں پر تعمیر کرے۔ مثبت بنیاد پر تعمیر وہ ہے جس میں انسان کی نفسیات یا تو اللہ رب العالمین سے تعلق کی بنیاد پر بن رہی ہو، یا انسان سے محبت کی بنیاد پر۔ تعمیر خویش کی یہی اصل بنیادیں ہیں۔ آدمی کو ہمیشہ اپنا محاسبہ کرکے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اللہ سے تعلق کی بنیاد پر اپنی تعمیر کر رہا ہے یا انسان سے خیر خواہی کی بنیاد پر۔ ہر عورت اور ہر مرد کو انھیں دو بنیادوں پر اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

منفی تجربہ

منفی تجربہ (negative experience) صرف منفی تجربہ نہیں ہے۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک صدمہ (shock) ہے۔ صدمہ کا تجربہ انسانی ذہن کے لیے ایک فکری طوفان (storm) کے ہم معنی ہوتا ہے، کبھی چھوٹا اسٹارم اور کبھی بڑا اسٹارم۔ منفی تجربہ کے وقت انسان کے ذہن میں طوفان (storm) پیدا ہوتا ہے۔ وہ درحقیقت ایک توانائی (energy) کے اخراج (release) کا واقعہ ہے۔ یہ صدمہ انسان کے لیے مطلق معنوں میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اس کا استعمال اس کو اچھا یا برا بناتا ہے۔

اگر آپ اس صدماتی انرجی (shocking energy) کو مثبت رخ پر موڑ سکیں تو ہر صدمہ آپ کے لیے انٹلکچول ڈیولپمنٹ کا ذریعہ بن جائے گا۔ آپ کے سوچنے کی طاقت، آپ کے تجزیہ (analysis) کی طاقت کچھ بڑھ جائے گی۔ آپ کا ذہن غیر تخلیقی ذہن سے بڑھ کر تخلیقی ذہن (creative mind) ہوجائے گا۔ آپ کے ذہن کی ایسی کھڑکیاں کھل جائیں گی، جو اس سے پہلے بند پڑی تھیں۔ آپ کسی بھی وقت اس حقیقت کا تجربہ کرسکتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کسی سے ایک بات کہی۔ وہ آدمی آپ کی بات کو سن کر غصہ ہوگیا۔ اس نے آپ کو اس کا سخت جواب دیا۔ اس وقت آپ جوابی غصہ نہ کریں، اور ٹھنڈے طریقے سے مثبت انداز میں غور کریں۔ آپ بہت جلد محسوس کریں گے کہ آپ کی قوت تفکیر بڑھ گئی ہے۔ آپ کے ذہن میں نئے نئے پوائنٹ آرہے ہیں۔ آپ کی بات خود آپ کے لیے زیادہ قابل فہم بن رہی ہے۔ آپ کے ذہن کی تخلیقیت میں اضافہ ہورہا ہے۔

جب بھی آپ کو کسی بات سے صدمہ پہنچے تو آپ صرف یہ کیجیے کہ آپ چپ ہوجائیے۔ آپ ری ایکشن کے بجائے، خاموشی کا طریقہ اختیار کیجیے۔ آپ ایک شخص پر سوچنے کے بجائے اصل ایشو پر سوچنا شروع کردیجیے، اور پھر جلد آپ کو ایسا محسوس ہوگا جیسے آپ کی سوچ کے بند دروازے اچانک کھل گئے ہیں۔

لرننگ اسپرٹ

زندگی میں سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ آدمی کے اندر سیکھنے کا جذبہ (learning spirit) ہو۔ جس آدمی کے اندر سیکھنے کا جذبہ ہو، وہ برابر ترقی کرتا رہتا ہے۔ اس کا ذہنی ارتقا (intellectual development) کبھی رکتا نہیں۔ اس کے ذہنی سفر میں ہمیشہ کاما (comma) آتا ہے، نہ کہ فل اسٹاپ (full stop)۔ ذہنی سفر میں رکاوٹ صرف ایک چیز سے آتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے اندر غلطی کے اعتراف کا مادہ نہ پایا جائے۔ اپنی غلطی کا اعتراف آدمی کے ارتقائی سفر کو برابر جاری رکھتا ہے۔ اس کے برعکس، جس آدمی کے اندر یہ کہنے کی ہمت نہ ہو کہ میں غلطی پر تھا (I was wrong)، وہ کبھی ذہنی ارتقا کا تجربہ نہیں کرسکتا۔

آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے ذہن کی کھڑکیاں ہمیشہ کھلی رکھے۔ وہ ہر لمحہ نئی چیز سیکھنے کا طالب بنا ہوا ہو۔ اس قسم کی طلب آدمی کو ذہنی ترقی کے سفر میں آگے بڑھاتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس، جب آدمی کے اندر سیکھنے کی یہ طلب باقی نہ رہے تو اس کے اندر جمود (stagnation) پیدا ہوجاتا ہے۔ بظاہر وہ زندہ ہوتا ہے، لیکن اس کی زندگی ایک قسم کی حیوانی زندگی بن جاتی ہے، نہ کہ صحیح معنوں میں انسان کی زندگی۔

جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کے ذہنی ارتقا کا سفر بلا روک ٹوک برابر جاری رہے۔ اس کو اپنے ذہن کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھنا چاہیے۔ اس کو اسپرٹ آف لرننگ میں جینا چاہیے۔ اس کو کسی نئی بات کو لینے میں کبھی ہچکچانا نہیں چاہیے۔ خواہ وہ بات اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اسپرٹ آف لرننگ کی ایک پہچان یہ ہے کہ آدمی کم بولے اور زیادہ سنے۔ وہ مونولاگ (monologue) نہ ہو، بلکہ وہ ڈائیلاگر (dialoguer) ہو۔ وہ جب کوئی نئی بات سنے تو وہ اس کو رد کرنے کے جذبے سے نہ سنے، بلکہ اس کو سننے کے بعد وہ اس پر کھلے ذہن کے ساتھ غور کرے۔ ایسے آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ بولے کم، اور سوچے زیادہ۔

اسٹیج کا فتنہ

موجودہ زمانے میں ایک نیا فتنہ پیدا ہوا ہے، جس کو اسٹیج کا فتنہ کہا جا سکتا ہے۔ جس آدمی کے اندر شاندار شخصیت ہو، جو اچھا بولنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جو لوگوں کو خوش کرنے کا فن جانتا ہو، جو عوام پسند لہجہ میں بول سکے، اس کو فوراً اسٹیج مل جاتا ہے۔ اسٹیج ملتے ہی آدمی کی انا (ego) بوسٹ (boost) ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آتا ہے جب کہ واپس لوٹنا اس کے لیے ممکن نہیں رہتا۔

اسٹیج ایکٹوزم کے بظاہر دوسرے بہت سے فائدے ہیں — عوامی مقبولیت، ہر جگہ پذیرائی، ہر قسم کے دنیوی ساز و سامان، وغیرہ۔ یہ چیزیں اس کے اندر مصنوعی شخصیت بنانے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اسی میں کنڈیشنڈ ہو جاتا ہے۔ جب یہ درجہ آجائے تو اس کے اندر محاسبہ کا ذہن ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں درست راستے پر ہوں۔ مجھے اپنے اندر کوئی تبدیلی لانے کی ضرورت نہیں۔

جو آدمی مین آف اسٹیج (man of stage) بن جائے، وہ بظاہر کامیاب نظر آتا ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ سب سے زیادہ ناکام انسان ہوتا ہے۔ اس کے اندر تنقید سننے کا مزاج ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر ذہنی ارتقا کا عمل رک جاتا ہے۔ وہ تخلیقی فکر (creative thinking) کے قابل نہیں رہتا۔ وہ صرف آج (today) میں جینے لگتا ہے، کل (tomorrow) کی سوچ اس کے اندر ختم ہو جاتی ہے۔ وہ دوسروں کے اندر جینے لگتا ہے، خود اپنے آپ میں جینا کیا ہے، وہ اس سے ناآشنا ہو جاتا ہے۔

ایسا آدمی بظاہر پاتا ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک محروم انسان ہوتا ہے۔ اس کو ہر جگہ انسانوں کی بھیڑ ملنے لگتی ہے، لیکن فرشتوں کی صحبت اس کو حاصل نہیں ہوتی۔ وہ مادی اعتبار سے بھرپور ہوتا ہے، لیکن روحانی (spiritual) اعتبار سے وہ ایک خالی انسان ہوتا ہے۔ وہ بظاہر سب کچھ ہونے کے باوجود حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا۔

کام کی قیمت

اگر آپ ایک بائیسکل خریدنے کے لیے بازار میں جائیں، تو اس کی ایک قیمت ہے۔ وہ ضروری قیمت ادا کیے بغیر وہ بائیسکل آپ کو نہیں ملے گی۔ اسی طرح موٹر کار کی ایک قیمت ہے۔ اگر آپ موٹر کار خریدنا چاہتے ہوں۔ لیکن آپ کی جیب میں اس کی ضروری قیمت نہ ہو، تو کوئی بازار آپ کو موٹر کار دینے والا نہیں۔

اسی طرح مشن کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ اگر آپ ایک مشن لے کر اٹھیں تو صرف بڑے بڑے الفاظ بولنے سے آپ مین آف مشن نہیں بن سکتے۔ مشن ایک بے حد سنجیدہ منصوبہ ہے۔ مشن کی صرف ایک قیمت ہوتی ہے۔ اور وہ ہے، مشن کو ترجیح (priority) کی سطح پر اختیار کرنا۔ اگر آپ ایک مشن شروع کریں۔ لیکن آپ نے اس کو اپنی واحد ترجیح نہ بنایا ہو، بلکہ عملاً آپ اولاد کو اپنی ترجیح بنائے ہوئے ہوں تو آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ مشن کے لیے کھڑے نہ ہوں۔ ساگ سبزی کی دکان کھولنا، اس سے بہتر ہے کہ ایسا آدمی مین آف مشن بننے کا دعویٰ کرے۔

یونیورسٹی کے ایک استاد نے کہا کہ ہم لوگ حیوان کاسب (earning animal) ہیں۔ ہم لوگوں کا کنسرن تو صرف پرسنل انٹرسٹ ہوتا ہے، لیکن ہم لوگ غلط طور پر اپنے آپ کو علم کا کیس بتاتے ہیں۔ یہ منافقت ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ کچھ اور بنے، لیکن وہ منافق نہ بنے۔ لوگ عام طور پر حرام وحلال کو جانتے ہیں۔ لیکن اس کے سوا ایک اور چیز ہے، جس کو نفسیات کی اصطلاح میں کمزور شخصیت (weak personality) کہا جاتا ہے، اس کو کوئی نہیں جانتا۔ کمزور شخصیت اور منافق شخصیت میں صرف نام کے اعتبار سے فرق ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ کی نظر میں کمزور شخصیت والا انسان بھی وہی درجہ رکھتا ہے، جو منافق انسان کا درجہ ہوتا ہے۔ اعلیٰ انسان وہ ہے جس کے قول اور عمل میں کوئی تضاد نہ ہو۔ جو قابل پیشین گوئی کردار (predictable character) کا حامل انسان ہو۔

کامیاب شادی

ہر شادی کامیاب شادی ہے، کوئی شادی ناکام شادی نہیں۔ شرط یہ ہے کہ آدمی فطرت کے قانون کو جانے، اور اس کو اپنی شادی شدہ زندگی میں استعمال کرے، خواہ یہ قانون اس کی مرضی کے مطابق ہو یا اس کی مرضی کے خلاف ہو۔ ہر عورت اور ہر مرد کو ایک ہی خالق نے پیدا کیا ہے، اور خالق کا اعلان ہے کہ وہ ہر انسان کو احسن تقویم (التین، 95:4) پر پیدا کرتا ہے۔ اگر آدمی اس حقیقت کو جان لے تو کسی کی شادی کبھی ناکام شادی نہ بنے۔ قرآن میں آیا ہے: إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى (94:4) یعنی تمھاری کوششیں مختلف ہیں (Indeed your striving is different)۔ اس آیت میں ڈفرنٹ کا لفظ کوششوں کے اختلاف کے لیے آیا ہے۔ سعی کا لفظ نتیجہ کو بتاتا ہے، مگر وہ یہاں سبب نتیجہ کے معنیٰ میں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ لوگوں کی کوششیں مختلف کیوں ہوتی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر عورت اور مرد کا مزاج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ہر عورت اور مرد کا کیس ہمیشہ مختلف کیس (different case) ہوتا ہے۔ یہ اختلاف اس لیے ہے تاکہ لوگ اپنی کوششوں کو مختلف اعتبار سے استعمال کریں، اور زندگی میں ہر پہلو سے ترقی کا عمل جاری ہو۔

اسی فطری حقیقت کو جاننا شادی شدہ زندگی کی کامیابی کا راز ہے۔ مرد اور عورت دونوں اگر اس حقیقت کو جانیں تو وہ دریافت کریں گے کہ شتّٰی (اختلاف) کا یہ معاملہ فطرت کی زبان میں ایک پیغام دے رہا ہے۔ وہ یہ کہ لوگ فطرت سے ٹکرانے کے بجائے اس سے موافقت کریں۔ وہ اس معاملے میں ٹکراؤ کا طریقہ اختیار نہ کریں، بلکہ مینجمنٹ کا طریقہ اختیار کریں:

They have to adopt the art of difference management in this regard

اس معاملے میں ٹکراؤ کا طریقہ سرتاسر بے فائدہ ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شخص فطرت کے قانون سے لڑ کر جیت نہیں سکتا۔ جب ٹکراؤ انسان اور فطرت کے قانون کے درمیان ہو تو ہار ہمیشہ انسان کو ہوگی، فطرت کے قانون کو نہیں۔

مس ایڈونچرزم

انسان فطری طور پر باہمت (adventurist) پیدا ہوا ہے۔ اگر آدمی ہمت والا نہ ہوتو وہ کوئی اقدام نہیں کرے گا، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کوئی کام اپنی زندگی میں نہیں کرپائے گا۔ فطرت (nature) آدمی کو ابھارتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو کسی کام میں لگائے۔ وہ کچھ کرنے والا بنے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو مفید کام میں لگائے۔

اس جذبہ کی بنا پر آدمی فطری طور پر ایڈونچرسٹ (adventurist) بن جاتا ہے۔ وہ اقدام کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ایڈونچرزم بہت آسانی سے مس ایڈوینچرزم بن جاتی ہے، اور پھر آدمی کے حصہ میں فائدہ کے بجائے نقصان آتا ہے۔ ایڈونچر اور مس ایڈونچر کے درمیان ایک باریک لائن (thin line) ہے، جو ایک دوسرے کو جدا کرتی ہے۔ وہ یہ کہ ایڈونچرزم ہمیشہ ویل کیلکولیٹیڈ (well-calculated) ہونا چاہیے، نہ کہ محض جوش کے تحت کیا ہوا اقدام عمل۔ جوش کے تحت کیا ہوا اقدام ہمیشہ ناکام ہوتا ہے، اور ویل کیلکولیٹیڈ (well-calculated) اقدام ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔

ضروری ہے کہ آدمی کے اندر جوش کے ساتھ عقل بھی ہو۔ وہ اقدام کے جذبے کے تحت یہ بھی جانے کہ کیا چیز اس کے لیے قابل حصول ہے، اور کیا چیز اس کے لیے قابل حصول نہیں۔ کیا چیز اس کے بس کی ہے، اور کیا چیز عملاً اس کے بس سے باہر ہے۔ کسی بھی کام میں پیشگی طور پر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کیا چیز آدمی کے لیے ممکن العمل (possible) ہے، اور کیا چیز نہیں۔

کسی آدمی کے لیے بہترین عقل مندی یہ ہے کہ وہ ایسا کام کرے، جو اس کے بس کا کام ہو۔ جو کام اس کے بس کا نہ ہو، اس کو کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی سرے سے کام ہی نہ کرے۔ کام نہ کرنے سے جو چیز پیش آتی ہے، وہ صرف کمی ہے۔ لیکن جوش کے تحت کود پڑنا، اس سے زیادہ غلط ہے، اور وہ ہے — ناقابل تلافی نقصان۔

سوال وجواب

سوال

ایک سوال یہ ہے کہ آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ مسلمان فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور ہر فرقہ اپنے کوحق پر ہونے کا دعوی کرتا ہے ہمیں کس منہج پر چلنا چاہیے؟ (محمد عمر خالد)

جواب

اس سوال کا جواب راقم الحروف کی کتاب تجدید دین میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں مختصراً اس سوال کا جواب درج کیا جاتا ہے۔ فرقہ بندی کا سبب کیا ہے۔ اس کا سبب مبنی بر فارم انتہا پسندی ہے۔ دین، مثلاً نماز کا ایک فارم ہے۔ اسی کے ساتھ اس کی ایک اسپرٹ ہے۔ اسپرٹ ایک ہے، اور وہ ہمیشہ ایک رہے گی۔ یہ اسپرٹ تقویٰ اور خشوع ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: التقوی هاهنا (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2564)۔ یعنی تقویٰ دل میں ہے۔ اسی طرح قرآن میں آیا ہے: الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (23:2)۔ عبادت میں اگر اسپرٹ پر زور دیا جائے تو کبھی فرقہ بندی پیش نہیں آئے گی۔ کیوں کہ اسپرٹ ایک ہے، وہ ہمیشہ ایک ہی رہے گی۔

اس کے برعکس، فارم میں تعدد ہے۔ یعنی روایتوں میں کسی عبادت کے کئی فارم بتائے گئے ہیں۔ یہ تعدد سب کے سب جزئی امور میں ہیں۔ اس لیے فارم میں زور دینے سے ہمیشہ تعدد پیدا ہوجائے گا۔ اس بنا پر فارم کے معاملے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس معاملے میں تنوع کو درست سمجھا جائے۔ مثلاً کوئی شخص نماز میں آمین بالسر کا طریقہ اختیار کرے تب بھی درست، اور کوئی شخص نماز میں آمین بالجہر کا طریقہ اختیار کرے تب بھی درست۔

فرقہ بندی فارم پر زور دینے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ کوئی ایک فارم کو درست سمجھتا ہے، کوئی دوسرے فارم کو۔ اس طرح عبادت کے کئی طریقے بن جاتے ہیں۔ اس لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ عبادت کے معاملے میں بنیادی فارم میں توحد کا طریقہ اختیار کیا جائے، اور عبادت کے فروعی اجزاء میں تنوع کا طریقہ۔ مثلاً نماز کی رکعت میں توحد، اور حالت قیام میں ہاتھ باندھنے میں تنوع۔

سوال

کسی کی تعبیر کی غلطی کو واضح کرنا، اور تکفیر و تفسیق کا حکم لگانا، ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

(حافظ سید اقبال احمد عمری، عمر آباد، تامل ناڈو)

جواب

تعبیر کی غلطی کو واضح کرنا، زیر بحث موضوع کا علمی تجزیہ ہے۔ اس کے برعکس، تکفیر و تفسیق کا حکم لگانا، تنقیص کا فعل ہے۔ پہلی صورت میں زیر بحث موضوع کا علمی پہلو واضح ہوتا ہے۔ جب کہ دوسری صورت میں عملاً کسی شخص کی شخصی عیب زنی کا فعل انجام پاتا ہے۔ پہلی صورت علمی ارتقا کا ذریعہ ہے، اور دوسری صورت کا حاصل صرف یہ ہے کہ ایک شخص کے خلاف نفرت کے جذبات کو فروغ ملے۔

مثلاً ایک شخص جہاد کے موضوع پر ایک مضمون شائع کرتا ہے، اور اس میں لکھتا ہے کہ جہاد بمعنی قتال حسن لغیرہ ہے، حسن لذاتہ نہیں۔ یعنی وہ کوئی عقیدہ کا مسئلہ نہیں، وہ ایک طریقہ کار (method) کا مسئلہ ہے۔ جہاد بمعنی قتال صرف ضرورت (necessity) کے تحت مطلوب ہوتا ہے، نہ کہ اس اعتبار سے کہ وہ بذات خود کوئی دینی فریضہ ہے۔ اس نقطہ نظر پر کوئی شخص قرآن و حدیث کی روشنی میں تنقید کرے، اور علمی زبان میں اس کے صحت یا سقم کو واضح کرے تو وہ ایک جائز فعل ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایک شخص اسلام دشمن طاقتوں کا ایجنٹ ہے، وہ مسلمانوں کو فریضۂ جہاد سے ہٹانا چاہتا ہے۔ تو یہ صرف تنقیص یا الزام تراشی ہوگی۔ ایسی تنقید بلا شبہ ایک ناجائز فعل ہے۔ اسلام میں اس کا کوئی جواز نہیں۔

اگر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ کسی نے کچھ غلط لکھا یا کہا ہے تو آپ صرف یہ کیجیے کہ اس کی غلطی کو علمی طور پر واضح کیجیے۔ کیوں کہ اگر آپ الزام تراشی یا تنقیص کی زبان بولیں تو وہ سب وشتم ہوگا، جو اسلام میں جائز نہیں— حقیقت پسند انسان وہ ہے جو باتوں کو دلائل کے اعتبار سے دیکھے۔ جو بات دلائل سے درست ثابت ہو اس کو مانے، اور جو بات دلائل سے درست ثابت نہ ہو اس کو رد کردے۔

خبرنامہ اسلامی مرکز—258

- ویب سائٹ: صدر اسلامی مرکز نے 21 جنوری 2018 کو تامل زبان میں سی پی ایس کا ویب سائٹ لانچ کیا، اور 18 فروری 2018 کو کنڑا زبان کا ویب سائٹ لانچ کیا۔ تامل ویب سائٹ سی پی ایس چنئی کے زیر اہتمام چلے گا، اور کنڑا ویب سائٹ بنگلور وٹیم کی نگرانی میں چلے گا۔ ان دونوں ویب سائٹس کا ایڈریس یہ ہے:

www.peaceandspiritualityintamil.com
www.peaceandspiritualityinkannada.com

- کتاب میلہ: سی پی ایس کی مختلف ٹیموں نے نیشنل اور انٹرنیشنل پیمانے پر منعقد ہونے والے بک فیرس میں حصہ لیا اور زائرین کے درمیان ترجمہ قرآن اور دیگر دعوتی لٹریچر تقسیم کیا۔ مثلاً سی پی ایس چنئی نے گڈ ورڈ بکس کی جانب سے کولمبو بک فیر (24-15 ستمبر 2017) میں حصہ لیا، جن لوگوں کو قرآن دیا گیا، ان میں ایک اہم نام سری لنکا کے صدر مسٹر میتھری پالاسری سینا کا بھی ہے۔ اس کے علاوہ گڈ ورڈ بکس نے دوحہ بک فیر (29 نومبر تا 5 دسمبر 2017)، جدہ بک فیر (24-14 دسمبر 2017) میں حصہ لیا، سی پی ایس (چنئی) نے شولا پور اردو بک فیر (31—23 دسمبر 2017) میں حصہ لیا، ڈاکٹر ثانی اثنین خان ڈائریکٹر گڈ ورڈ ورڈ بکس نے شارجہ بک فیر (11—1 نومبر 2017) میں حصہ لیا، دلی فیلڈ ٹیم نے دہلی انٹرنیشنل بک فیر (14—6 جنوری 2018) میں حصہ لیا، کولکاتا ٹیم نے کولکاتا اردو بک میلہ (28—20 جنوری 2018) اور کولکاتا انٹرنیشنل بک فیر (30 جنوری تا 11 فروری 2018) میں حصہ لیا، پاکستان سی پی ایس ٹیم نے لاہور بک فیر (5—1 فروری 2018) میں حصہ لیا، اور گیا ٹیم نے گیا بک فیر (18—10 فروری 2018) میں حصہ لیا، سی پی ایس پاکستان نے لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنس (LUMS) منعقدہ یک روزہ بک فیر (21 فروری 2018) میں حصہ لیا (اس پر صدر اسلامی مرکز کا ایک مضمون اسی شمارہ میں شامل ہے)۔ ان تمام کتاب میلے میں ہزاروں کی تعداد میں خدا کے بندوں کو خدا کا پیغام پہنچایا گیا۔ نیز دہلی فیلڈ ٹیم نے جے پور لٹریچر فیسٹیول (24 تا 29 جنوری 2018) اور جودھپور ٹیم کے مسٹر وقاص صاحب نے صوفی فیسٹیول، جودھپور (18—15 فروری 2018) میں متلاشیان حق (seekers) کے درمیان قرآن کے تراجم تقسیم کیے۔ ان بک فیرس میں مختلف قسم کے حیرت انگیز تجربات پیش آتے رہے ہیں۔ مسٹر طارق بدر صاحب (پاکستان) نے اس سلسلے میں ذیل کا تاثر لکھا ہے:

Lahore Book Fair 2018, ended this Monday. It was a great success and our sale was doubled compared to last year. This simply shows that our readers' base has been established. Most of the readers were bringing their friends and recommending to them Maulana's books they have read.This made our work very easy. Two important things to mention: first, this success is related to Quran distribution. With one

of our team member's contribution we sold Quran copies at Rs. 300. This news spread like wild fire, and we received many calls from people who wanted to buy and give it as a gift. The sale was so rapid that we had to stop it as we were afraid that our stock would finish. Even small English and Urdu translations of the Quran were finished. Second, one of our readers from Qasoor requested to distribute 200 copies of Kitab-e-Marefat for free, which was also very helpful to introduce Maulana's literature to new readers.The previous book fair in Karachi and this one gave us confidence that this literature is the need of the time and with God's help we will be able to show to people the true face of Islam. Our mission is to make Maulana's Tazkeerul Quran and other books reach every home in Pakistan. Two of our readers also contributed for giving stall charges and asked their children to volunteer with us in the next book fair. There were lots of interesting incidents about how readers were coming to our stall and sharing their stories of how these books had changed their lives. How these people approached us and got connected to us was miraculous. Apart from Saifullah and Abdul Latif Sb's hard work and dedication, it was Mrs. Saifullah's tireless efforts that were behind this success. One scholar at the book fair said that now most of the ulema had already accepted Maulana's approach. Another interesting incident was that when I saw a lady standing away from our stall, I invited her and told her about Maulana's books. She was happy and told me that articles from Maualna's books on personality development were shared during their Dars at Jamat-e-Islami. I was very surprised to hear that. (Tariq Badar, CPS Pakistan)

- خواتین کارول: مس شبینہ علی کولکاتا سی پی ایس کی نہات متحرک خاتون ممبر ہیں۔ وہ کولکاتا شہر میں ہونے والے مختلف پروگراموں میں جا کر وہاں موجود لوگوں کو ترجمۂ قرآن اور دعوتی لٹریچر دیتی ہیں۔ مثلاً 4 ستمبر 2017 کو راما کرشنا مشن انسٹی ٹیوٹ آف کلچر (کولکاتا) میں یونیسکو (UNESCO) کے تعاون سے ہونے والا پروگرام، جس کا عنوان تھا: عالمی مفاہمت برائے انسانی اتحاد۔ خواتین کے ذریعہ جو دعوتی کام ہو رہا ہے، اس کی نسبت سے یہ سمندر میں تیرتے ہوئے آئس برگ کا ٹپ (tip of the iceberg) ہے۔ سی پی ایس انٹرنیشنل کے تحت دعوت کو پھیلانے میں خواتین کی ایک بڑی تعداد لگی ہوئی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر فریدہ خانم (چیرپرسن سی پی ایس انٹرنیشنل، دہلی)، انھوں نے سی پی ایس کے مشن کو اردو سے انگریزی زبان میں منتقل کیا ہے، اور حالیہ دنوں میں آپ نے جو پروگرام اٹینڈ کیے وہ یہ ہیں: انڈیا انٹرنیشنل سینٹر، نئی دہلی میں 12 جنوری 2018 کو لوٹس ٹیمپل اینڈ

بہائی کمیونٹی نے چائلڈ رائٹ اور مذہب کے عنوان سے ایک پروگرام کا انعقاد کیا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحبہ نے شرکت کی اور اسلام میں بچوں کے حقوق پر ایک لکچر دیا۔ اس کے بعد او پی جندل گلوبل یونیورسٹی، سونی پت ہریانہ میں 23 جنوری 2018 کو ایک انٹرنیشنل سمینار رہوا۔ اس میں مس شبینہ علی (کولکاتا ٹیم) نے ڈاکٹر فریدہ خانم کے ساتھ شرکت کی۔ یہاں مس شبینہ علی نے ایک پیپر پیش کیا، جس کا عنوان تھا، معاصر سیاسی اقدار اسلامی روحانیت کی روشنی میں (Present-day political values in the light of Islamic Spirituality)۔ پروگرام کے بعد تمام نیشنل وانٹرنیشنل مشارکین کو ترجمہ قرآن اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔ اس کے بعد 28 جنوری 2018 کو واردھا (مہاراشٹر) میں انسٹی ٹیوٹ آف گاندھی اسٹڈیز کے زیر اہتمام ایک پروگرام میں اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے ڈاکٹر فریدہ خانم نے شرکت کی۔ اس موقع پر مس شماز انصاری (میرٹھ) ڈاکٹر صاحبہ کے ساتھ ہمراہ موجود تھیں۔ اس پروگرام کا عنوان تھا، بڑے مذاہب میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر عدم تشدد کا تصور، اصول اور عمل:

Concept, Principles and Practice of Non-violence at the individual and the societal level in major religious faiths.

ان کے علاوہ جو خواتین اس دعوتی مشن کو آگے لے جا رہی ہیں، وہ یہ ہیں: ڈاکٹر مسلمہ صدیقی، ڈاکٹر سعدیہ خان، ڈاکٹر نغمہ صدیقی، ڈاکٹر نجمہ صدیقی، مز ماریہ خان، مز راضیہ صدیقی، مز صوفیہ خان، مز استتھی ملہوترا، مز آنکھی چٹرجی، مز حمامہ فرقان (دہلی)، مز شماز انصاری (میرٹھ)، مز سارہ فاطمہ، (انگلش میگزین اسپرٹ آف اسلام، بنگلور)، مز مظہر النساء، مز فاطمہ اسریٰ (بنگلور)، مز صالحہ پروین (ہاسن)، مز قرۃ العین (کشمیر)، مز عصمت خانم، مز شیاما دیوی، مز سلطانہ بیگم، ڈاکٹر سفینہ تبسم (سہارن پور، یوپی)، مز شبانہ خاتون، مز یاسمین مہتاب (کولکاتا) مز امۃ المعز بشریٰ (سعودی عربیہ)، مسز نسیم نصرت (تھانہ، ممبئی)، مز ثمینہ خان (بودھن، مہاراشٹر)، مز مسعودہ خاتون (پٹنہ)، مز فوزیہ خان (پھلواری، بہار)، ڈاکٹر عالیہ، ڈاکٹر فوزیہ، مسز اختر، مز سلمی عون، مز شبانہ انصاری (پاکستان)، مز گل زیبا احمد (میری لینڈ، امریکا)، مز کوثر اظہار (نیوجرسی، امریکا)، مز بشری کوثر (پیٹس برگ، امریکا) مز ایویٹ فرانسین گرے ([Yuvette Francine Gray] مسی سپی، امریکا)، مسز فرحانہ طاہر، مسز نصیرہ یونس، مز شہناز علوی، (ٹکساس، امریکا)، اشرف النساء کلیم (پنسلوانیا، امریکا)، ڈاکٹر حنا (یوکے)، مز سیما جلال (دبئی)۔ اس کے علاوہ بڑی تعداد ان خواتین کی ہے جو خود براہ راست دعوتی کام نہیں کرتی ہیں، لیکن فیملی میں جو لوگ کام کرتے ہیں ان کو وہ بھر پور طور پر سپورٹ کرتی ہیں، ان میں ایک اہم نام مز زرین خان (اہلیہ ڈاکٹر ثانی اثنین خان) کا ہے۔

- کولکاتا ٹیم کا دعوتی دورہ: 12 ستمبر 2017 کو سی پی ایس ٹیم کولکاتا نے جمشید پور کا دورہ کیا۔ وہاں عیاض صاحب کی سربراہی میں الرسالہ ریڈرس سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ پھر الحرا لائبریری میں ایک خصوصی نشست کے

ذریعہ لائبریری کے ممبران سے ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر محمد عبداللہ (کولکاتا ٹیم) نے سی پی ایس مشن کے حوالے سے کئی باتیں رکھیں اور انٹرایکشن بھی ہوا۔ اس نشست میں کئی برادران وطن بھی موجود تھے۔ اس دورے کا دوسرا پروگرام کلب ہاوس میں ہوا، جس میں جناب اروند کمار مینیجر جسکو (ٹاٹا اسٹیل) اور دیگر سرآوردہ لوگوں نے شرکت کی، یہاں پیس اور اسپریچولٹی کے موضوع پر باتیں ہوئیں، اور سی پی ایس کا تفصیلی تعارف کروایا گیا۔ اس پروگرام کو عیاض صاحب نے آرگنائز کیا تھا۔ پروگرام میں موجود لوگوں نے سی پی ایس کے کام کو کافی پسند کیا۔

- دعوہ میٹ: 25—23 دسمبر 2017 کو ناگپور میں سی پی ایس ٹیم کی نیشنل دعوہ میٹ ہوئی۔ اس میں ہندوستان میں موجود تقریباً تمام ٹیموں نے حصہ لیا۔ اس دوران انھوں نے اپنا احتساب کیا، اور نئے عزم کے ساتھ دعوتی کام کو آگے بڑھانے کا عزم کیا۔
- ملاءقوم میں دعوت: ڈاکٹر محمد اسلم خان (سہارن پور)، سی پی ایس کے بہت ہی متحرک داعی ہیں۔ کوئی بھی موقع ہو وہ دعوتی کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً 16 ستمبر 2017 کو انھیں ہوٹل تاج، نئی دہلی میں رورل ہیلتھ کیر کے لیے امراجالا ایکسلنس ایوارڈ 2017 سے نوازا گیا۔ اس موقع پر چار مرکزی وزراء مسٹر سریش پربھو، مسٹر مختار عباس نقوی، مزانوپریا پٹیل، اور شری ستپال سنگھ موجود تھے۔ سامعین کی بڑی تعداد ملاءقوم سے تعلق رکھتی تھی۔ ان تمام کو انھوں نے ترجمہ قرآن اور پیس لٹریچر دیا۔ اس کے علاوہ 9 نومبر 2017 کو اتراکھنڈ کے وزیراعلیٰ، شری تروبندر سنگھ راوت نے انھیں ادے شری ایوارڈ دیا، اور 20 دسمبر 2017 کو انھیں اترپردیش کے وزیراعلیٰ مسٹر یوگی ناتھ ادتیہ نے ہیلتھ کیر کے لیے ایوارڈ سے نوازا تھا۔ ان دونوں موقعوں پر انھوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ تمام لوگوں کو، بشمول وزراء، ترجمہ قرآن اور پیس لٹریچر دیا۔ نیز اسی درمیان 21 ستمبر 2017 کو انھوں نے اپنی فیملی اور مشن کے ساتھیوں کے ساتھ جاکر مظفرنگر سینٹرل جیل میں جیل سپرٹنڈنٹ، جیلر اور قیدیوں کے درمیان خدا کی کتاب کو تقسیم کیا۔
- بہار اور جھارکھنڈ سے ملی خبر کے مطابق، 21، نومبر 2017 کو مولانا سعید خان ندوی (شیرگھاٹی، گیا، بہار) کی ہمشیرہ کا نکاح مولانا محمد یاسین ندوی کے ساتھ ہوا۔ حافظ ابوالحکم محمد دانیال (صدر، سینٹر فار پیس اینڈ آبجیکٹو سٹڈیز، بہار و جھارکھنڈ) نے اپنے رفقاء کے ساتھ اس تقریب میں شرکت کی۔ یہاں ندوی فضلاء اور دوسرے اعلی تعلیم یافتہ لوگوں کے ساتھ کئی علمی و دعوتی نشستیں ہوئیں۔ مثلاً ظہر تا عصر ’’ہندوستان میں دعوتی کام کے امکانات‘‘ کے موضوع پر اور پھر مغرب سے رات ۱۰ بجے تک مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ مولانا خالد ندوی (امام محمد رفیع مسجد، باندرہ، ممبئی) نے کہا کہ آج میرے بہت سارے سوالوں کا جواب مل گیا اور آپ نے جو اپنے دعوتی تجربات بتائے اس سے بہت حوصلہ ملا۔ بزرگ عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف مولانا عبیداللہ ندوی نے کہا کہ آپ بہت اچھا کام کررہے ہیں عملی طور پر اسی کام کی ضرورت ہے۔ مجھے آپ کا کام اور کام کرنے کے طریقے

سے بہت خوشی ہوئی۔ اس کے بعد 26 نومبر 2017 کو جاگرن نیوز گروپ نے پورنیہ میں مدرسہ کے فارغین کے لیے ایک سیمینار The Significance and Role of Education in Nation Building کا انعقاد کیا تھا۔ اس سیمینار میں حافظ ابوالحکم محمد دانیال نے اپنی ٹیم کے ساتھ شرکت کی اور موضوع پر تقریر کی۔ اس موقع پر اعلی نمبروں سے پاس ہونے والے طلبہ کو انعام سے نوازا گیا۔ اختتام پر تمام حاضرین کو قرآن کا ترجمہ اور سیرت کی کتابیں تحفہ میں دی گئیں۔ نیز 1 دسمبر 2017 کو دلسنگھ سرائے، سمستی پور کے مولوی چک میں ربیع الاول کے موقع پر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ایک پروگرام ہوا۔ اس مناسبت سے سینٹر فار پیس اینڈ آبجیکٹو سٹڈیز کی ٹیم نے دلسنگھ سرائے کا دو روزہ دعوتی سفر کیا۔ پروگرام میں حافظ ابوالحکم محمد دانیال نے سیرت کے موضوع پر خصوصی خطاب پیش کیا۔ خطاب کے بعد تمام لوگوں کو سیرت کی کتاب تحفہ میں دی گئیں۔ دوسرے دن سینٹر کی ٹیم نے علاقے کے مختلف لوگوں سے میٹنگ کی اور انھیں مشن سے متعارف کیا۔ اس سفر میں حافظ ابوالحکم محمد دانیال کے علاوہ جناب عزیز الرحمن، محمد ثناء اللہ، محمد مشتاق اور دلسنگھ سرائے ٹیم کے حاجی ادریس، محمد نفیس، محمد انعام، محمد نصیر الدین، مولانا شعیب اور محمد شاہ جہاں صاحبان شامل تھے۔

- بہار کا گیا ضلع بدھ مذہب کے ماننے والوں کا مرکز ہے۔ اس لیے وہاں پوری دنیا کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ یہاں الرسالہ مشن سے تعلق رکھنے والے دعاۃ مانو کلیان سمیتی (Mobile: 8122773742) نامی این جی او کے ذریعہ دعوتی کام کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً انھوں نے 17 تا 28 جنوری 2018 کو نگما ٹیمپل (Nigma Temple) بودھ گیا میں 29th ورلڈ پیس پرے یر (Prayer for world peace) کے موقع پر بڑی تعداد میں ترجمہ قرآن اور دعوتی لٹریچر تقسیم کیا۔ قرآن جن زبانوں میں تقسیم کیا گیا، وہ یہ ہیں: انگریزی، ہندی، جرمن، پرتگیز، اسپینش، ڈچ، رشین، اٹالین، چائنیز، پنجابی، مراٹھی، تیلگو، تمل، ملیالم، گجراتی، وغیرہ۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دعوتی کام سے دلچسپی رکھنے والے، یہاں سے ترجمہ قرآن و دعوتی لٹریچر منگوا کر تقسیم کرتے ہیں۔ جیسے رانچی، اورنگ آباد، جئے پور، ناگپور، ہاپوڑ (یوپی)، وغیرہ۔
- جناب ثناء اللہ صاحب اکولہ (Mobile: 9579733042) سے لکھتے ہیں کہ 18 جنوری 2018 کو میری دکان میں دو ہندو بھائی آئے۔ میرے کاریگر گنیش والو کر نے ان دونوں کو مراٹھی ترجمہ قرآن اور دیگر کتابیں دیں، اور ان سے پندرہ منٹ تک بات کی۔ دوران گفتگو گنیش نے ان سے کہا کہ قرآن کو کسی لیکھک (مصنف) کی کتاب سمجھ کر مت پڑھنا، اگر تم اس کو کسی لیکھک کی کتاب سمجھ کر پڑھو گے تو تم اس کو نہیں سمجھو گے اور اگر تم اس کو ایشور کی کتاب سمجھ کر پڑھو گے تو تم کو یہ کتاب سمجھ میں آئے گی۔ ان لوگوں نے یہ کتابیں بڑے شوق سے حاصل کی۔ اسی طرح 13 فروری 2018 کو سابق مقامی کونسلر صبح کے وقت میرے پاس آئے اور آتے ہی کہا کہ مولانا وحید الدین خاں صاحب کی جتنی کتابیں آپ کے پاس ہیں، وہ آپ مجھے دیں، کسی دوسرے لیکھک کی کتاب نہیں

چاہیے۔ اس سے پہلے میں نے ان کو پرافٹ آف پیس کا مراٹھی ترجمہ ’’شانتی چے پروشت محمد‘‘ دی تھی، جس سے وہ بہت متاثر ہوئے، اور کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ کوئی مسلمان ہی نظر نہیں آتا، جو اسلام کی ان باتوں پر عمل کرتا ہو، ایسا لگتا ہے جیسے ہر مسلمان اپنی مرضی سے جی رہا ہے۔ اسی طرح کچھ عرضے پہلے مقامی پولیس اسٹیشن سے دو پولیس والے آئے اور کہا کہ پولیس اسٹیشن میں آپ کی چرچا ہوتی ہے کہ آپ شانتی اور بھائی چارہ (peace and harmony) کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہمیں اس قسم کی کچھ کتابوں کی ضرورت ہے، آپ مجھے وہ کتابیں مہیا کریں۔ جوان کو دی گئی۔ انھوں نے بھی یہ کتابیں بڑی شوق سے لیں۔

- ناگپور و کامٹی CPS ٹیم کے ایک ممبر محمد اکرم صاحب (Mobile: 8983218667) اکثر سفر کرتے ہیں اور اس دوران وہ دعوہ ورک بھی کرتے ہیں۔ بروز بدھ، مورخہ 17 جنوری 2018 وہ ناگپور سے وردھا کا سفر بذریعہ ٹرین کر رہے تھے۔ سفر کے دوران انہوں نے مولانا وحید الدین خان صاحب کی کتاب، اسلام کیا ہے، کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ان کے ہم سفر ایک کشمیری مسلمان بھی تھے۔ انھوں نے اکرم صاحب کو کتاب پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ مجھے بھی کوئی کتاب دیجیے۔ اکرم صاحب کے بیگ میں اس کتاب کی مزید کاپیاں تھیں، انھوں نے اس کتاب کے ساتھ اردو ترجمہ قرآن، انسان اپنے آپ کو پہچان بھی انھیں دے دیا۔ ڈبے میں بیٹھے چند اور مسلم حضرات نے بھی مطالبہ کیا، انھیں بھی کتابیں دے دی گئیں۔ یہ دیکھ کر ایک ہندو بھائی نے پوچھا کیا آپ کے پاس مراٹھی قرآن بھی ہے۔ اکرم صاحب نے ان کو مراٹھی قرآن، مرتیو چے اسمرن، اسلام پریچے، جیونا چا واستو، کتابیں دی۔ وہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ یہ دیکھ کر پاس میں بیٹھے ہوئے چار ہندو بھائیوں نے بھی مطالبہ کیا۔ انہیں بھی یہ کتابیں دے دی گئیں۔ سبھی لوگوں نے خوشی کے ساتھ اسے قبول کیا، اور کہا کہ اصل کام آپ کر رہے ہیں۔ اس کی آج بہت ضرورت ہے۔ میں نے سوچا الحمدللہ دعوت کا کام کرنا کتنا آسان ہے۔ کاش یہ بات ہر مسلمان مرد و عورت کی سمجھ میں آجائے۔ (محمد عرفان رشیدی، کامٹی، ناگپور)

- I have completed reading Maulana’s Mutala-e-Seerat. By the Grace of Allah, I understood as to why Allah asked us to follow the Prophet's life pattern. A Muslim can never feel that he has no purpose to live at any point of time, as there is a continuous task of self-purification and the task of sharing the message with others until his death. My conviction for both the tasks has increased many folds. My conviction about the Hereafter and Islam as the true revealed religion of God Almighty is also getting deeper. All these years, I was reading only those kinds of books that contained dos and don’ts, but after reading this book, I felt that being a born Muslim, knowing some history about Islam is not enough for true conviction or belief. Maulana's way of writing is God’s greatest blessing for this generation. Spirit of Islam, the English Magazine, also has articles which are also very inspirational for personality development. (Mrs. Asra, Bangalore)

Date of Posting 10th and 11th of advance month
Postal Regn. No. DL(S)-01/3130/2015-17
Published on the 1st of every month
RNI 28822/76
Posted at NDPSO
Licenced to Post without Prepayment U (SE) 12/2015-17
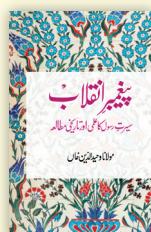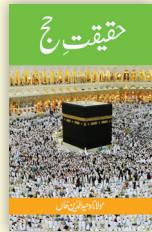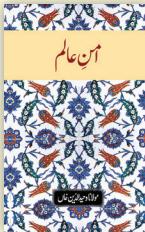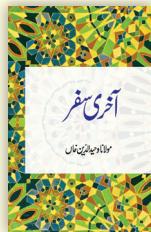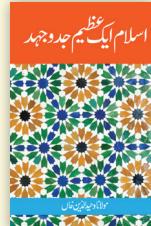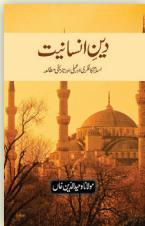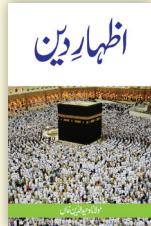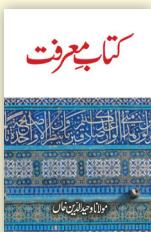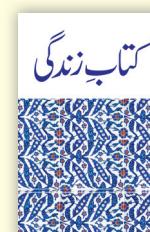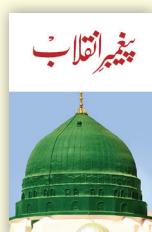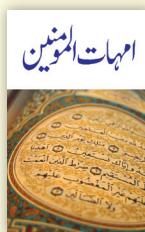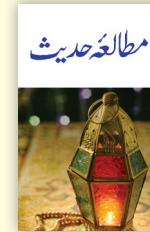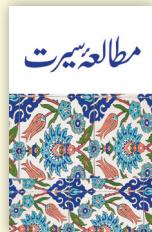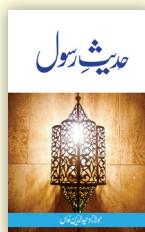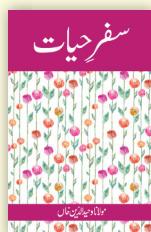
عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحیدالدین خاں کے قلم سے

اسلام ایک ابدی حقیقت ہے، لیکن ہر دور میں ضرورت ہوتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو جدید اسلوب میں بیان کیا جائے، تاکہ بدلے ہوئے حالات میں لوگ اسلام کی اہمیت کو دوبارہ دریافت کرسکیں۔ اِس مقصد کے لئے مختلف موضوعات پر تیار کردہ اِن کتابوں کا مطالعہ کریں، نیز قرآن کے ترجمے اور دعوتی لٹریچر برادرانِ وطن تک پہنچا کر اپنا دعوتی رول ادا کریں۔